جون ایلیا
یعنی
(اضافی ایڈیشن)
shahid Rassam

جون ایلیا

الحمد پبلی کیشنز

رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انارکلی)۔ لیک روڈ۔ لاہور

☎ 37231490 - 37310944

ھماری کتابیں .....

خُوبصورت، معیاری اور

کم قیمت کتابیں

تزئین واہتمام اشاعت

صفدر حسین

ضابطہ:۔

مرتب	:	جون ایلیا
ترمیم واضافہ	:	خالد احمد انصاری
سرورق	:	شاہد رسام
مشاورت	:	سیّد حسن عابد، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، سیّد ممتاز سعید سیّد سلیم ساجد کبرانی، آغا وسیم اور ندیم آغا
اشاعت چہارم	:	2014ء
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	300 روپے

اپنی بہن سیدہ شاہِ زناں نجفی

اور بھائی سیّد محمد عبّاس کے نام

اِشاریہ

Awais

جو گزاری نہ جا سکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے

معروضہ

جون صاحب کی خواہش تھی کہ اپنے پہلے شعری مجموعے 'شاید' کی طرح وہ اس مجموعے پر بھی ایک تفصیلی دیباچہ لکھیں۔ انھوں نے کوئی دو سال پہلے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ شدید ناتوانی تھی۔ لکھا نہیں جاتا تھا۔ چند سطریں ممکن ہوتیں کہ قلم ہانپنے لگتا پھر انھوں نے مجھ سے کہا۔ ''میری جگہ تم ہی کچھ لکھ دو، جیسا تم نے نصف صدی، اپنے ہوش سے مجھے دیکھا ہے، بس جتنا تم جانتے ہو، وہی کچھ لکھ دو۔''

جون صاحب پر لکھنا میرے بس میں نہیں تھا۔ وہ میرے چچا، بڑے بھائی، میرے دوست، رازداں اور میرے استاد تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، کہاں سے شروع کروں گا اور کہاں تک لکھنا چاہیے۔ میں طرح طرح کے عذر کرتا رہا۔ کسی سے اتنے رشتے ہوں اور کوئی کسی کے وجود کا حصّہ ہو......! وہ جب مشاعرے میں پڑھتے تھے تو دل اپنا دھڑکتا تھا۔ میری کوتاہیوں پر وہ مجھے سرزنش کرتے رہتے تھے اور میں انھیں ان کی بے اعتدالیوں پر دھمکاتا، ڈانٹتا رہتا تھا۔ ایک زمانے میں، کچھ غلط فہمیوں کی ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ انھوں نے میرے خلاف بھی لکھا۔ وہ ایسے ہی تھے، ایک دَم بھڑک جانے والے، کانوں کے کچے، حد درجے سینے میں آگ پالنے والے۔ شک اور بدگمانیاں ان کا خاصہ تھا...... لیکن ریشم کا وہ دھاگا کبھی نہ ٹوٹ سکا جس سے ہم دونوں بندھے ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے پہلے چلے گئے۔ یہ خیال کیے بغیر کہ میں کتنا آدھا، اُدھورا رہ جاؤں گا۔ کئی برس سے وہ خود سے نبرد آزما تھے۔ کوئی ارادہ ہی اُس مُشتِ استخواں کو منضبط رکھے ہوئے تھا۔ ایک شام وہ جنگ ہار گئے۔

میں ان کے اس دوسرے مجموعے 'یعنی' کے لیے کچھ نہ لکھ پایا! ور انھیں بھی احساس ہو گیا کہ میرے لیے یہ کام کیسا مشکل ہے۔ انھوں نے میری رہ نمائی کے لیے چار صفحوں پر مشتمل نکات تحریر

کسی طور قلم بند کیے اور بہ طورِ خاص دو نام لکھے کہ ان صاحبان کا شکریہ بہر حال ادا کرنا ہے۔ ایک حماد غزنوی تھے، دوسرے انیق احمد۔ یہ چار صفحے جوں کے توں یہاں نقل کرنے سے قاصر ہوں۔ اس میں کچھ میری ان کی باتیں تھیں۔ ہدایت تھی کہ مجھے کیا، کن خطوط پر لکھنا ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ مضمون نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اُڑی اُڑی، بکھری بکھری سی ایک تحریر تھی۔

جون صاحب کی شاعری پر مجھے کچھ نہیں کہنا۔ میں اس کا اہل ہوں نہ سکت رکھتا ہوں۔ میں خود ستائی کیا کروں اور خود پر تنقید کا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔ اپنے آپ پر کوئی کیا لکھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کے پاس 'شاید' جیسے 14 مجموعوں کے بہ قدر کلام موجود ہے۔ میں اُن سے کہتا تھا کہ اپنی حالت دیکھیے۔ کسی دن ہَوا اُڑا لے جائے گی۔ اپنے سامنے یہ سارا کچھ چھپوالیں۔ طے کر لیجیے کہ کم از کم ہر چھ مہینے بعد ایک مجموعہ آنا چاہیے۔ آپ کا شمار تو ان چند خوش قسمت شعرا میں ہوتا ہے جن کے کلام کے لیے ناشرین ہاتھ پھیلائے کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر وہی ہوا۔ سب دیکھتے رہ گئے۔

انھوں نے سارا کلام اپنے ایک عقیدت مند نوجوان کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ مجھے پہنچا دے اور میں اُسے کمپیوٹر میں محفوظ کرلوں۔ ان کے اُس نیاز مند کو مجھ تک آنے میں کچھ دیر لگ گئی۔ اِدھر جون صاحب کا اضطراب سوا ہو گیا تھا۔ اس واقعے کے ہفتے بھر بعد چلے گئے۔ وہ سارے مسوّدے اب اُس، شاید مجھ سے زیادہ مستحق، نوجوان کی تحویل میں ہیں اور وہ آدھے رجسٹروں کی اپنے پاس موجودی کے اعتراف کے باوجود انکاری ہو گیا ہے۔ میں اُس سے منّتیں کرتا رہا اور اب ہار گیا ہوں۔ جون صاحب کے بے شمار عاشقوں میں ایک وہ بھی مدّعی تھا۔ غالباً اُسی نے خود کوئی کارنامہ انجام دینے کی ٹھان لی ہو۔ کاش یہی خوش گمانی درست نکلے۔ جون صاحب کا کلام، کسی طرف اور کسی طور سے سہی، آنا چاہیے۔ وہ کلام جو ایک شاعر ایک عالم، ایک مفکّر، ایک سرکش، ایک عاشق اور سودائی کی زندگی کا حاصل ہے۔

مجھے معاف کر دیجیے۔ اُن کے جانے کے بعد اس مجموعے کی اشاعت میں تاخیر کی تمام تر کوتاہی میری ہے۔ مجھ سے یہ چند سطریں ہی نہیں ہو پا رہی تھیں۔ اب بھی جانے کس طرح ممکن ہوئی ہیں۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔

شکیل عادل زادہ عفی عنہ

''یعنی'' (اضافی ایڈیشن)

''یعنی'' کا پہلا ایڈیشن شکیل عادل زادہ کی نگرانی میں جونؔ کے سانحۂ ارتحال کے بعد چند ماہ ہی میں منظرِ عام پر آ گیا تھا۔ یہ ۲۰۰۳ء کی بات ہے۔ جونؔ کے نہایت پسندیدہ اور معتبر عاشق خالد انصاری نے بڑی محنت سے پچھتر (۷۵) اشعار ڈھونڈ نکالے جو اس مجموعہ کی بعض غزلوں میں کے ہیں لیکن شائع ہونے سے رہ گئے تھے وہ اب خالد انصاری اور جونؔ کے پسندیدہ پبلشر ''الحمد پبلی کیشنز'' کے صفدر صاحب کے توسط سے ہم تک پہنچ رہے ہیں۔* شکیل عادل زادہ والے ایڈیشن میں غالباً عجلت کے باعث یہ کمی رہ گئی تھی کہ اُس میں ''یعنی'' کی شاعری پر کوئی مضمون موجود نہیں تھا۔ اب خالد انصاری نے ازراہ محبت مجھ سے کہا کہ آپ مختصراً ''یعنی'' پر ایک نقد لکھ دیں۔ میں خالد انصاری کی بات آسانی سے ٹال نہیں سکتا۔ میری عاجزانہ کوشش حاضر ہے۔

تو دانی حساب کم و بیش را

''یعنی'' میں تریسٹھ (۶۳) غزلیں اور چودہ (۱۴) نظمیں شامل ہیں۔ ''شاید'' کی

---

* شکیل عادل زادہ میرے محب اور دوست ہیں لیکن انہوں نے یعنی کے پہلے ایڈیشن میں اپنی تحریر ''معروضہ'' میں خالد انصاری کو نام لیے بغیر جونؔ کا ''نوجوان عقیدت مند'' تو کہا ہے لیکن پھر یہ بھی کہا ہے کہ وہ ''آدھے رجسٹروں کی اپنے پاس موجودی کے اعتراف کے باوجود انکاری ہو گیا ہے۔ میں اُس سے منتیں کرتا رہا اور اب ہار گیا ہوں''۔ شکیل کا یہ بیان حقیقتِ حال کے بالکل برعکس ہے۔ خالد انصاری کی نیک نیتی کی شہادت تو ان کی شب و روز کی کوشش کے نتیجے میں جونؔ کے مجموعے ''گمان'' اور ''لیکن'' سے مل جاتی ہے۔ پھر ''یعنی'' کا زیرِ نظر ایڈیشن، پھر تیاری کے مرحلے میں ''گویا'' اور ''راموز'' (نئی آگ کا عہد نامہ) مزید شہادت بہم پہنچائیں گے۔

غزلوں کے مقابلے میں ''یعنی'' کی غزلوں میں تھوڑی سی پختگی بڑھ گئی ہے۔ نظموں میں جونؔ کی چند بہترین نظمیں شامل ہیں۔ ان کی بات میں بعد میں کروں گا۔ پہلے غزلوں کا ذکر ہو جائے۔ جونؔ کے آفاقی اور کائناتی رویوں کی کئی نمائندہ مثالیں دیکھیے۔

کون آشوبِ گرِ دیر و حرم ہے آخر
جو یہاں ہے نہ وہاں ہے تننا ھُو یا ھُو
کِس نے دیکھا ہے مکاں اور زماں کو یارا!
نہ مکاں ہے نہ زماں ہے تننا ھُو یا ھُو
ہے یہ قصہ کتنا اچھا، پر میں اچھا سمجھوں تو
ایک تھا کوئی جس نے یک دَم یہ دنیا پیدا کی تھی
زمین تو کچھ بھی نہیں، آسماں تو کچھ بھی نہیں
اگر گمان نہ ہو، درمیاں تو کچھ بھی نہیں

جونؔ کے سماجی رویے ''یعنی'' میں مزید پختہ ہوئے ہیں۔ حالانکہ ''شاید'' میں خاص طور پر اپنے پیش لفظ میں اشتراکی اور بائیں بازو کے رویوں کا بہت فصیح و بلیغ ذکر کر چکے تھے جو پھر ساری زندگی ان کے مضبوط رویوں کی حیثیت سے باقی رہے۔ ''یعنی'' کی غزلوں سے چند اشعار پر غور کیجیے۔

یہ جو منعم ہیں انہیں کا تو ہے فتنہ سارا
اور دین ان کی دکاں ہے تننا ھُو یا ھُو
حق کے منکر ہیں، اناالحق کے بھی منکر، سو ہمیں
وہ سزا دیجیو جو دار و رسن پاس نہیں
جونؔ یہ جو وجود ہے' یہ وجود
کیا بنے گی اگر عدم نکلے

سماجی رویوں کی سب سے زیادہ واضح تصویر، جنسی معاملات اور شادی میں (ایک ہی بات ہے) نظر آتی ہے۔ ''یعنی'' میں جونؔ نے ''ناف پیالہ'' کی اصطلاح وضع کی اور اُسے

غزلوں میں خوب برتا۔ جونؔ کی LIBIDO شعر میں ایسی شدت کی مستحق تھی:

یار کا ناف پیالہ تو بلا ہے یاراں
حشرِ محشر طلباں ہے تمنا ھو یا ھُو

ہے مرا یہ ترا پیالۂ ناف
اس سے تُو غیر کو پلائیو مت

کیا بھلا ساغرِ سِفال کہ ہم
ناف پیالے کو جام کر رہے ہیں

ناف پیالہ نہ آپ چھلکائیں
اس کو ہم پر حلال تو رکھیے

جون نے ''وہ پیالۂ ناف'' کو ردیف بنا کر پوری غزل کہہ ڈالی۔ (ملاحظہ کیجیے صفحہ ۱۰۱)
جونؔ کے سماجی رویوں ہی میں اُن کا نظریہ عشق بھی شامل ہے۔ محبوب سے تعلق کے معاملے میں میرؔ کے نہایت عقیدت مند ہونے کے باوجود غالبؔ کی معشوق فریبی، عشقِ جسمانی اور عشق میں نرگسیت سے قریب رہے۔

ہائے جانانہ کی مہماں داریاں
اور مجھ دل کی بدن آزاریاں

ڈھا گئیں دل کو تری دہلیز پر
تیری قتالہ...... سرینیں ...... بھاریاں

اُف شکن ہائے شکم، جانم تری
کیا کٹاریں ہیں، کٹاریں کاریاں

یہ میرا جوشِ محبت فقط عبارت ہے
تمہاری چمپئی رانوں کو نوچ کھانے سے

''یعنی'' میں شامل نظموں میں سے میں دو نظموں ''درختِ زرد'' اور ''والاِیتِ خابَاں'' کو جونؔ کی عظیم نظموں میں شمار کرتا ہوں۔ میرے خیال میں جونؔ کی آخری عظیم نظم ''درختِ زرد''

ہے۔ جس میں اپنے بیٹے زریون کو اپنے لڑکپن اور اپنے مزاج کے بارے میں بتا رہے ہیں:

میں اپنے شہر کا سب سے گرامی نام لڑکا تھا
میں بے ہنگام لڑکا تھا، میں صد ہنگام لڑکا تھا
مرے دَم سے غضب ہنگامہ رہتا تھا محلّوں میں
میں حشر آغاز لڑکا تھا، میں حشر انجام لڑکا تھا
مرے ہندو مسلمان سب مجھے سر پر بٹھاتے تھے
انھی کے فیض سے معنی مجھے معنی سکھاتے تھے
سخن بہتا چلا آتا ہے بے باعث کے ہونٹوں سے
وہ کچھ کہتا چلا آتا ہے بے باعث کے ہونٹوں سے
میں اشرافِ کمینہ کار کو ٹھوکر پہ رکھتا تھا
سو، میں محنت کشوں کی جوتیاں منبر پہ رکھتا تھا

''ولایتِ خالیاں'' بلاشبہ اُردو کی چند عظیم نظموں میں شمار کی جانا چاہیے۔ فیض صاحب کی ''ملاقات'' ہی کی طرح ''ولایتِ خالیاں'' ایک مکمل استعارہ ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ''ملاقات'' ایک مکمل پینٹنگ ہے تو جونؔ کی نظم ''ولایتِ خالیاں'' ایک SHORT FILM ہے جس میں اس شہر کی سیر کرائی گئی ہے جہاں کے تمام باشندے خواب کی حالت میں ہیں۔ افلاطون کا تاریک غار میں زنجیروں سے بندھے قیدیوں کا استعارہ یاد آتا ہے۔ اس غار میں خارجی دنیا کی پرچھائیاں ہی ان قیدیوں کے لیے وجودِ خارجی کی واحد جھلک ہیں۔ جونؔ کی ''ولایتِ خالیاں'' اُن کے عدم معنویت، جبریت اور عبثیت کا عمیق استعارہ بنتی ہے۔ لمبی نظم ہے، ایک ایک سطر سمجھنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ صرف آخری چند سطریں:

''یہاں اجناس کے سر محکمے کے حکم کی رُو سے، ہر اک ماکول اور مشروب میں
خواب آور ادویّہ کی آمیزش ضروری ہے نہیں تو پھر سزا ہے
الغرض، مقصد جو ہے، یہ ہے کہ سارے لوگ اپنے ہوش سے عاری ہیں
اور صرف بے ہوشی میں سرگرم اور طرفہ کار، پُر احوال، پُر اطوار ہوں

اس ماجرا آگئیں ولایت کی تمام دانش و بنیش، تمام فرّخی فرہنگ
ہر فرّ و فروزانی، فزایش کا جو سرچشمہ ہے، وہ خوابیدہ روزی اور بس خوابیدہ گردی ہے

فسوں افسانگی، خاموش آوازوں کا شور اور نیم روشن گرد و پیش
ابہام کی سمتیں، ہیولے، تیرہ اندیشی......
کسے معلوم کیا؟ شاید ایسا ہو کہ ہماری بُود اِک خواب و فُسونِ جاودانہ ہو
سبھی کچھ اک فریبائی...... فریبائی ہو۔"......
لیجیے جونؔ کی غزلیں، نظمیں پڑھیے۔

سیّد ممتاز سعید

''جونؔ سحر تو ہو گئی''

''یعنی'' جونؔ ایلیا کا اہم شعری مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ اُن کا خود کا مرتب کردہ ہے۔ مجھے اس کی ترتیب میں اُن کی معاونت کا شرف حاصل ہوا۔ اس مجموعہ کو ۱۹۹۶ء میں منظرِ عام پر آنا تھا لیکن جونؔ بھائی کی متلون مزاجی کے باعث یہ ممکن نہ ہوسکا بالآخر یہ اُن کی وفات کے بعد ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔

یہ مجموعہ اُن کے پہلے شعری مجموعہ ''شاید'' کی اشاعت کے ۱۳ سال بعد شائع ہوا۔ اس کی اشاعت جونؔ ایلیا کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ اُن کی شدید حساس طبیعت اس مجموعہ کے متعلق اُن کو طرح طرح کے مغالطوں اور وسوسوں میں مبتلا رکھتی تھی کیونکہ اس سے قبل اُن کے معرکتہ الآرا مجموعہ ''شاید'' نے ان کی شعری جہت کو جو دوام بخشا تھا اُس نے اُن کو اس خوف میں مبتلا کر دیا تھا کہ آیا وہ اپنے اس آنے والے مجموعہ میں لوگوں کی توقعات پر پورا اتر سکیں گے؟ یہ وہ احساس تھا جو اس مجموعہ کی تاخیر کا ایک بڑا سبب تھا۔

وہ اکثر اپنے قریبی واقف کاروں کو اس کا مسودہ دکھا کر سوال کرتے:

''جانی! کیا ''شاید'' سے بہتر ہے؟''

''جانی! کیا ''شاید'' کو پچھاڑ دے گی؟''

کس قدر عجیب بات تھی، خالق خود اپنی ہی تخلیق سے خوفزدہ تھا۔

جونؔ ہی تو ہے جونؔ کے در پے
میرؔ کو میرؔ ہی سے خطرہ ہے

تاخیر کا دوسرا بڑا سبب اس مجموعہ کا دیباچہ تھا، جسے وہ ایک ادبی شہہ پارہ کے طور پر تخلیق

کرنا چاہ رہے تھے۔ اکثر شام کو وہ کاغذوں کا پلندہ ہاتھوں میں لے کر بیٹھ جاتے اور مجھ پر حکم صادر کرتے "بیٹا لکھو! میرے بابا، میرے عالیشان بابا......"

اُس دیباچہ کو انہوں نے کئی بار تحریر کروانا چاہا لیکن بات چند صفحات سے آگے بڑھ نہ پاتی۔ چار پانچ صفحوں کے بعد وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے جن میں یہ سوال ہوتا کہ "کیا کچھ بات بنی؟" لیکن میرے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر کچھ کہہ نہ پاتے۔

اِس روزانہ کی مشق سے ہم دونوں اُکتا چکے تھے، آخر ایک دن میں نے تنگ آ کر اُن سے کہہ دیا۔

"جونؔ بھائی! اس دیباچہ کو رہنے دیں۔ آپ جو کچھ کہنا چاہ رہے ہیں وہ آپ "شاید" کے دیباچہ میں لکھ چکے ہیں۔ آپ کے بابا وہی ہیں، آپ کے بھائی وہی ہیں۔ یہ دُرست ہے کہ لوگ آپ کی نثر کے دلدادہ ہیں لیکن اب یہ سب تکرار معلوم ہوگا۔ لوگ آپ کی شاعری سے لُطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ اُن کو آپ کے مجموعہ کا شدت سے انتظار ہے۔ آپ کیوں اس دیباچہ کی وجہ سے اس مجموعہ کو التوا میں ڈال رہے ہیں۔"

مجھے پہلی دفعہ جونؔ بھائی ایک تھکے ہارے آدمی معلوم ہوئے۔ کافی دیر مجھے انجانی نگاہوں سے دیکھتے رہے اور پھر گویا ہوئے "ٹھیک ہے جانی! اگر تُو ایسا سمجھتا ہے تو میں یہ دیباچہ نہیں لکھواتا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کوئی مجھ پر صرف دو صفحات تحریر کر دے۔ میرا خیال ہے یہ ذمہ داری شکیل عادل زادہ ادا کر سکتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے مجھ کو ۱۹۵۷ء سے اب تک دیکھا۔" مگر وہ اپنی مصروفیات کے باعث یہ ذمہ داری ادا نہ کر پائے اور جون بھائی اس جہان سے سدھار گئے۔

اس مجموعہ کی اشاعت نے مختلف قیاس آرائیوں کو جنم دیا۔ جونؔ ایلیا کے کلام کا غائب ہونا، دیباچہ کا نہ ہونا، اُس کی ضخامت اور متن کا وہ نہ ہونا جس کی توقع کی جا رہی تھی۔

اِن تمام باتوں سے قطع نظر میرا موقف یہ تھا کہ اس مجموعہ میں موجود غزلوں کے مکمل اشعار شائع ہونا چاہیے جن کی تعداد لگ بھگ (۷۵) کے قریب ہے۔ اُن میں بعض اشعار*

---

* ان اشعار کے ساتھ (+) کا نشان لگا دیا گیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ اشعار اضافی ہیں۔

بے حد اہم اور مشہور ہیں۔ ان اشعار کی اس مجموعہ میں غیر موجودگی قابلِ تعجب تھی۔

اس سلسلے میں میں نے محترم سید حسن عابد، محترم ڈاکٹر محمد علی صدیقی اور محترم سیّد ممتاز سعید (شمن بھائی) سے رابطہ کیا اور ان اشعار کا تذکرہ کیا۔ ان محترم حضرات نے اشعار کو دیکھ کر میری رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ اِن اشعار کو اس مجموعہ میں ضرور شامل ہونا چاہیے۔ یہ ان حضرات کا عطا کردہ حوصلہ ہی تھا کہ میں نے اس مجموعہ کو ان اشعار کے ساتھ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پچھلے شائع شدہ ایڈیشن میں موجود غلطیوں کو دُور کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ صفحہ ۱۳۲ پر موجود چوتھے شعر کو مکمل کیا گیا ہے اور بعض اشعار میں معمولی قطع و برید کی گئی ہے۔

اُمید ہے جونؔ ایلیا کے بے شمار چاہنے والے میری اس کوشش کو سراہیں گے اور مکمل متن سے لطف اندوز ہوں گے۔

خالد احمد انصاری

۱۵ ویں مارچ ۲۰۰۷ء

رابطہ: Jaun_elia@yahoo.com

○

وہ یقیں ہے نہ گماں ہے تتنا ھُو یاھُو
جانِ جانانِ جہاں ہے تتنا ھُو یاھُو

کون آشوب گرِ دیر و حرم ہے آخر
جو یہاں ہے نہ وہاں ہے تتنا ھُو یاھُو

کس نے دیکھا ہے مکاں اور زماں کو یارا!
نہ مکاں ہے نہ زماں ہے تتنا ھُو یاھُو

میں نے معنی میں نہ پائے کوئی معنی یعنی
لفظ ہی مآلِ زباں ہے تتنا ھُو یاھُو

میں جو اک فاسق و فاجر ہوں جو زندیق ہوں
رمزِ "حق" مجھ میں نہاں ہے تتنا ھُو یاھُو

حَذَر اربابِ ''کلیسا'' کہ یہ معمورۂ تو
سر دم اہرمناں ہے تننا ھُو یاھُو

کیا بھلا سُودوزیاں، سُودوزیاں کیا معنی
کچھ نہ ارزاں نہ گراں ہے تننا ھُو یا ھُو

زندگی کیا ہے میاں جان بھلا! کیا کہیے
شاید اک اپنا سماں ہے تننا ھُو یاھُو

سینۂ وقت قیامت کا ہے چھلنی لیکن
نہ کمیں ہے نہ کماں ہے تننا ھُو یاھُو

مفلساں! دل سے خداوند تمھارے پہ دُرود
کیا ہی روزینہ رساں ہے تننا ھُویاھُو

یہ جو منعم ہیں انھیں کا تو ہے فتنہ سارا
اور دین ان کی دکاں ہے تننا ھُو یاھُو

شام فرقت کی ہے اور موجِ شمالِ سرسبز
میرے سینے میں وزاں ہے تننا ھُویاھُو

یار کا ناف پیالہ تو بلا ہے یاراں
حشر محشر طلباں ہے تتنا ھُو یاھُو

وہ مری جان، مری جان شکم رقّاصہ
کیا ہی وجد آورِ جاں ہے تتنا ھُو یاھُو

خُون ہی تھوک رہا ہوں میں بچھڑ کے اس سے
وہی تو رنگ رساں ہے تتنا ھُو یاھُو

دُھول اُڑتی ہے مری جان مرے سینے میں
دل مرا دشت فشاں ہے تتنا ھُو یاھُو

جونؔ، میں جو ہوں کہاں ہوں، مجھے بتلا تو سہی
جون تو مجھ میں تپاں ہے تتنا ھُو یاھُو

○

کفِ سفیدِ سرِ ساحلِ تمنّا ہے
اور اس کے بعد سرابوں کا ایک دریا ہے

یہ آرزو کا فُسوں زارِ جاودانہ کیا
نہ آرزو، نہ فُسوں زارِ جاودانہ ہے

ہے کب سے پردۂ آواز کو سکوتِ ہوس
سکوت پردۂ آواز کو ترستا ہے

ہے درمیانہ ازل ہی سے ایک ترکِ سخن
پر اِک سخن جو ازل ہی سے درمیانہ ہے

یہ خاک داں ہے بس اک روزنہ توہّم کا
یہ روزنہ ہی توہّم کا ایک توشہ ہے

نہ جانے کب سے اُف آشوب ہے سوالوں کا
مگر سوال تو یہ ہے کہ مسئلہ کیا ہے

نہ پوچھ حالتِ جاں کاہِ تُندیِ پرواز
تکانِ بال و پرِ جاں ہی راحت افزا ہے

وہ جانِ خلوتِ ممکن ہے دل کے پہلو میں
اور ایک حشرِ مُرادِ محال برپا ہے

ہے اس کا نافِ پیالہ غضب کہ مت پوچھو
کہ اس کی ایک جھلک اِک بلا کا نشہ ہے

○

تُو نے مستیِ وجود کی، کیا کی
غم میں بھی تھی جو اِک خوشی کیا کی

ناز بردارِ دل براں اے دل
تو نے خود اپنی دل بَری کیا کی

آ گیا مصلحت کی راہ پہ تو
اپنی ازخود گذشتگی کیا کی

رہروِ شامِ روشنی تو نے
اپنے آنگن کی چاندنی کیا کی

تیرا ہر کام اب حساب سے ہے
بے حسابی کی زندگی کیا کی

یُوں ہی پھرتا ہے تو جو راہوں میں
دل محلّے کی وہ گلی کیا کی

اِک نہ اِک بات سب میں ہوتی ہے
وہ جو اِک بات تجھ میں تھی، کیا کی

جل اُٹھا دل، شمالِ شام مرا
تُو نے بھی میری دل دہی کیا کی

نہیں معلوم ہو سکا دل نے
اپنی اُمیدِ آخری کیا کی

جونؔ دنیا کی چاکری کر کے
تُو نے دل کی وہ نوکری کیا کی

(+) اس کی محرم کی جو نشانی تھی
وقت تُو نے وہ انگنی کیا کی

(+) نہیں کوئی خوشی بدَل جس کا
تُو نے دل کی وہ ناخوشی کیا کی

○

حسرتِ رنگ آئی تھی، دل کو لگا کے لے گئی
یاد تھی، اپنے آپ کو یاد دلا کے لے گئی

خیمہ گہِ فراق سے خیمہ گہِ وصال تک
ایک اُداس سی ادا مجھ کو منا کے لے گئی

ہجر میں جل رہا تھا میں اور پگھل رہا تھا میں
ایک خنک سی روشنی مجھ کو بُجھا کے لے گئی

ایک شمیمِ پُر خیال شہرِ خیال سے ہمیں
خواب دکھا کے لائی تھی، خواب دکھا کے لے گئی

دل کو بس اک تلاش تھی بے سرو کارِ دشت و دَر
ایک مہک سی تھی کہ بس رنگ میں لا کے لے گئی

یاد، خراب و خستہ یاد، بے سرو سازو نا مراد
جانے قدم قدم کہاں مجھ کو چلا کے لے گئی

یار، خزاں تھا میں، ایسی فضائے زرد میں
نکہتِ یادِ سبز فام مجھ کو خود آ کے لے گئی

دشتِ زیان و سُود میں بُود میں اور نبود میں
محملِ نازِ عشوہ گر مجھ کو بٹھا کے لے گئی

محفلِ رنگِ طَور میں خونِ جگر تھا چاہیے
وہ مری نوش لب مجھے زہر پلا کے لے گئی

سیل حقیقتوں کے تھے، دل تھا کہ میں کہاں ٹلوں
اور گماں کی ایک رَو آئی اور آ کے لے گئی

تو کبھی سوچنا بھی مت تو نے گنوا دیا مجھے
مجھ کو مرے خیال کی موج بہا کے لے گئی

صرصرِ وقت لے گئی ان کو اڑا کے ناگہاں
اور نہ جانیے کہاں ان کو اڑا کے لے گئی

موجِ شمالِ سبز فام قریۂ درد سے مجھے
جادہ بہ جادہ، کُو بہ کُو، دُھوم مچا کے لے گئی

(+) نغمہ گرانِ روز و شب' کھا گئے مات العجب
یعنی نفس کی نغمگی زخم نوا کے لے گئی

(+) گفت و شنو کا دَم بھلا کِس کو مِلا جو پوچھتا
شوخ سی ایک شکل تھی، بس وہ جگا کے لے گئی

(+) جونؔ پہ جس پری کا تھا اوّلِ شوق سے اثر
کل دلِ شب میں وہ پری اُس کو اُڑا کے لے گئی

○

لب ترے ہشت اور ترے پستان، ہشت
ہشت جاناں جان، جاناں جان، ہشت

تجھ سے بڑھ کر وہم ہے تیرا خدا
ہشت اے انسان، اے انسان، ہشت

ہشت اے حالِ گماں، سوزِ وجوب
اے گمان سامانیِ امکان، ہشت

بیچ میں کیا ہے؟ فقط شرمِ وجود
ران ازل کی اور ابد کی ران، ہشت

میں تمھیں خاطر میں لاتا ہی نہیں
ہشت اے دُشوار، اے آسان، ہشت

○

زمیں تو کچھ بھی نہیں، آسماں تو کچھ بھی نہیں
اگر گمان نہ ہو، درمیاں تو کچھ بھی نہیں

حریمِ جاں میں ہے اک داستاں سراپۂ حال
خوش اُس کا حال، مگر داستاں تو کچھ بھی نہیں

دُرونیانِ تسلّی سے تُو ملا ہے کبھی؟
عذابِ حسرتِ بیرونیاں تو کچھ بھی نہیں

سہے ہیں میں نے عجب کربِ سُود مندی کے
گِلہ ہے تجھ کو زیاں کا، زیاں تو کچھ بھی نہیں

کسے خبر سرِ منزل جو دل نے حال سہے
اذیّت سفرِ رایگاں تو کچھ بھی نہیں

نہیں ہے مجھ سا زباں داں کوئی زمانے میں
جو میرا غم ہے، وہ یہ ہے، زباں تو کچھ بھی نہیں

ہے جونؔ قافلہ و راحلہ میں شور بپا
یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے، وہاں تو کچھ بھی نہیں

(+) حسابِ پیش و پسِ ذات کر رہا تھا میں
نہ جانے کِس نے کہا درمیاں تو کچھ بھی نہیں

○

ترے خواب بھی ہُوں گنوا رہا، ترے رنگ بھی ہیں بکھر رہے
یہی روز و شب ہیں تو جانِ جاں یہ وظیفہ خوار تو مر رہے

وہی روزگار کی محنتیں کہ نہیں ہے فرصتِ یک نفَس
یہی دن تھے کام کے اور ہم کوئی کام بھی نہیں کر رہے

ہمیں شکوا تیری ادا سے ہے تری چشمِ حال فزا سے ہے
کہ دریچہ آ گے بھی ہم ترے یونہی بے نشاطِ ہُنر رہے

مرا دل ہے خوں کہ ہوا یہ کیا ترے شہرِ ماجرا خیز کو
نہ وہ ہوش ہے نہ خروش ہے، نہ وہ سنگ ہیں نہ وہ سر رہے

ہے مقابلے کی حریف کو بہت آرزو مگر اس طرح
کہ ہمارے ہاتھ میں دَم کو بھی کوئی تیغ ہو، نہ سپر رہے

عجب ایک ہم نے ہُنر کیا، وہ ہُنر بطورِ دِگر کیا
کہ سفر تھا دُور و دراز کا، سو ہم آ کے خود میں ٹھہر رہے

یہاں رات دن کا جو رن پڑا تو گِلہ یہ ہے کہ یہی ہوا
رہے شہر میں وہی معتبر جو اِدھر رہے نہ اُدھر رہے

ہیں عجیب سایے سے گام زن کہ فضائے شہر ہے پُرفتن
نہیں شام یہ رہ ورسم کی، جو ہے گھر میں اپنے وہ گھر رہے

○

بے قراری سی بے قراری ہے
وصل ہے اور فراق طاری ہے

شوقِ کی اِک اُمیدواری ہے (+)
ورنہ کِس کو خبر ہماری ہے

جو گزاری نہ جاسکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے

بِکھرے کیا ہوئے کہ لوگوں پر
اپنا سایہ بھی اب تو بھاری ہے

بِن تمھارے کبھی نہیں آئی
کیا مِری نیند بھی تمھاری ہے

آپ میں کیسے آؤں میں تجھ بِن
سانس جو چل رہی ہے، آری ہے

اس سے کہیو کہ دل کی گلیوں میں
رات دن تیری انتظاری ہے

ہجر ہو یا وصال ہو...... کچھ ہو
ہم ہیں اور اس کی یادگاری ہے

اک مہک سمتِ دل سے آئی تھی
میں یہ سمجھا تِری سواری ہے

حادثوں کا حساب ہے اپنا
ورنہ ہر آن سب کی باری ہے

خوش رہے تو کہ زندگی اپنی
عمر بھر کی اُمیدواری ہے

(+) برہمن! میرا وہ بُتِ نازک
سارے ہندوستاں پہ بھاری ہے

(+) دل و دنیا میں وصل کیونکر ہو
اِک ہزاری ہے اِک بزاری ہے

(+) نہیں مطلب کہن سنن تجھ سے
زندگی ہے تو بے قراری ہے

○

کیسا دل اور اس کے کیا غم جی
یونہی باتیں بناتے ہیں ہم جی

کیا بھلا آستین اور دامن
کب سے پلکیں بھی اب نہیں نم جی

اس سے اب کوئی بات کیا کرنا
خود سے بھی بات کیجیے کم کم جی

دل جو تھا کیا تھا ایک محفل تھا
اب ہے درہم جی اور برہم جی

بات بے طَور ہوگئی شاید
زخم بھی اب نہیں ہیں مرہم جی

ہار دنیا سے مان لیں شاید
دل ہمارے میں اب نہیں دَم جی

آپ سے دل کی بات کیسے کہوں
آپ ہی تو ہیں دل کے محرم جی

ہے یہ حسرت کہ ذبح ہوجاؤں
ہے شکن اس شکم کی ظالم جی

کیسے آخر نہ رنگ کھیلیں ہم
دل لہو ہو رہا ہے جانم جی

ہے خرابۂ حُسینیہ اپنا
روز مجلس ہے اور ماتم جی

وقت دَم بھر کا کھیل ہے اس میں
بیش از بیش ہے کم از کم جی

ہے ازل سے ابد تلک کا حساب
اور بس ایک پل ہے پیہم جی

بے شکن ہوگئی ہیں وہ زلفیں
اس گلی میں نہیں رہے خم جی

دشتِ دل کا غزال ہی نہ رہا
اب بھلا کس سے کیجیے رَم جی

(+) کیجیے ، خوب کیجیے برباد
اپنے شہروں کو آپ جُم جَم جی

○

بہت دل کو کُشادہ کر لیا کیا
زمانے بھر سے وعدہ کر لیا کیا

تو کیا سچ مچ جدائی مجھ سے کرلی
تو خود اپنے کو آدھا کر لیا کیا

ہُنر مندی سے اپنی دل کا صفحہ
مری جاں، تم نے سادہ کر لیا کیا

جو یک سرِ جان ہے، اُس کے بدن سے
کہو کچھ استفادہ کر لیا کیا

بہت کترا رہے ہو مُغ بچوں سے
گناہِ ترکِ بادہ کر لیا کیا

یہاں کے لوگ کب کے جا چکے ہیں
سفر جادہ بہ جادہ کر لیا کیا

اُٹھایا اک قدم تو نے نہ اس تک
بہت اپنے کو ماندہ کر لیا کیا

تم اپنی کج کلاہی ہار بیٹھیں؟
بدن کو بے لبادہ کر لیا کیا

بہت نزدیک آتی جارہی ہو
بچھڑنے کا ارادہ کر لیا کیا

کسی کو اپنی اپنے آپ ہی میں
زیادہ سے زیادہ کر لیا کیا

○

ابھی فرمان آیا ہے وہاں سے
کہ ہٹ جاؤں میں اپنے درمیاں سے

(+)
سمجھ میں زندگی آئے کہاں سے
پڑھی ہے یہ عبارت درمیاں سے

یہاں جو ہے تنفّس ہی میں گم ہے
پرندے اُڑ رہے ہیں شاخِ جاں سے

دریچہ باز ہے یادوں کا اور میں
ہوا سنتا ہوں پیڑوں کی زباں سے

زمانہ تھا وہ دل کی زندگی...... کا
تری فرقت کے دن لاؤں کہاں سے

تھا اب تک معرکہ باہر کا...... درپیش
ابھی تو گھر بھی جانا ہے یہاں سے

فلاں سے تھی غزل بہتر فلاں کی
فلاں کے زخم اچھے تھے فلاں سے

خبر کیا دوں میں شہرِ رفتگاں کی
کوئی لَوٹے بھی شہرِ رفتگاں سے

یہی انجام کیا تجھ کو ہوَس تھا
کوئی پوچھے تو میرِ داستاں سے

مکان و لامکاں کے بیچ ہے کیا (+)
جُدا جس سے مکاں ہے لا مکاں سے

○

شوق کا رنگ بُجھ گیا، یاد کے زخم بھر گئے
کیا مری فصل ہوچکی، کیا مرے دن گذر گئے

رہ گذرِ خیال میں دوش بدوش تھے جو لوگ
وقت کی گرد باد میں جانے کہاں بکھر گئے

شام ہے کتنی بے تپاک، شہر ہے کتنا سہم ناک
ہم نفَسو! کہاں ہو تم، جانے یہ سب کدھر گئے!

پاسِ حیات کا خیال ہم کو بہت بُرا لگا
پس بہ ہجومِ معرکہ جان کے بے سپر گئے

میں تو صفوں کے درمیاں کب سے پڑا ہوں نیم جاں
میرے تمام جاں نثار میرے لیے تو مر گئے

آج کی شام ہے عجیب، کوئی نہیں مرے قریب
آج سب اپنے گھر رہے، آج سب اپنے گھر گئے

خوابِ طلائیِ خیال، دل کا زیاں تھا اور ملال
ہوش کے باوجود ہم خواب و خیال پر گئے

سمتِ زمرّدینِ دل خود سے ہے کیا بہت خجل
ہم جو گمانِ زرد میں گھر سے گئے نہ گھر گئے

تھا جو نفس نفس کا رن اُس میں تھی شورشِ بزن
زخم بغیر واں سے ہم خون میں تر بہ تر گئے

شاہدِ شامِ واقعہ، صورتِ ماجرا ہے کیا
کتنے جتھے بکھر گئے، کتنے ہجوم مر گئے

رونقِ بزمِ زندگی! طُرفہ ہیں تیرے لوگ بھی
اک تو کبھی نہ آئے تھے، آئے تو روٹھ کر گئے

خوش نفسانِ بے نوا، بے خبرانِ خوش ادا
تیرہ نصیب تھے مگر شہر میں نام کر گئے

آپ میں جونؔ ایلیا، سوچیے اب دھرا ہے کیا
آپ بھی اب سدھاریے، آپ کے چارہ گر گئے

○

کتنے سوال اُٹھتے رہتے تھے، ان کے جوابوں کے تھے ہم
کس کا دل، کیسی دل داری، اپنے حسابوں کے تھے ہم

تھا وہ گماں کی روشنیوں میں روشنیوں کا ایک گماں
خواب کی اک رُوداد تھی ساری، خواب تھے خوابوں کے تھے ہم

جانے کون زمانے تھے وہ جن میں تھی دل کی گذران
لکھتے ہیں یوں اپنے کتبے جیسے کتابوں کے تھے ہم

ہے یہ بادِ زرد کے چلنے سے کچھ پہلے کا مذکور
تھے اپنے رُخسار گلابی، اپنے گلابوں کے تھے ہم

تھی اک بے بنیاد تمنّا، اک بربادی بے شکوہ
جب تک تھے ہم بس یوں سمجھو، سخت عذابوں کے تھے ہم

اک دوپہر کا قصّہ ہے جب شہر وہ ہم نے چھوڑا تھا
اس کے بعد کچھ ایسی بیتی، شام شرابوں کے تھے ہم

کاش ! کوئی رُوداد ہماری آن کے سُن جائے ہم سے
رنگ میں اس کے تیر رہے تھے اور سرابوں کے تھے ہم

○

ایک خوشبو ہے کہ نسرین و سُمن پاس نہیں
جو چمن سے ہے، چمن کی ہے، چمن پاس نہیں

اُس کی زُلفوں کے ہر اک تار سے کہیو یہ صبا
تجھ میں اک اور بھی خم ہے جو شکن پاس نہیں

حق کے مُنکر ہیں، اناالحق کے بھی مُنکر، سو ہمیں
وہ سزا دیجیو جو دار و رسن پاس نہیں

عرض لایا ہوں یہی تجھ لبِ ندرت کے حضور
وہ سخن کیجیو مجھ سے جو سخن پاس نہیں

تیرے آغوش میں تیرا ہے وہ آغوش ہوس
جو مرے رنگ بدن تیرے بدن پاس نہیں

کوچ ہے میرا طرف ارضِ خُتن کی یارو
اور غزالانِ ختن ہیں کہ ختن پاس نہیں

○

ہنگامۂ نشاطِ طبیعت بھی جبر ہے
شاید کہ اختیار کی حالت بھی جبر ہے

ہے جبر التفات و عنایت کی آرزو
اور نازِ التفات وعنایت بھی جبر ہے

شکوا خدا غریب سے تم کو ہے، جاؤ بھی
اس کے لیے تو اس کی مشیّت بھی جبر ہے

آشفتگاں کو کون بتائے کہ دوستاں
آشوبِ ہاؤ ہُو کی یہ فرصت بھی جبر ہے

وہ جو تھا اپنا شوقِ فزوں جبر ہی تو تھا
یہ اپنا طرزِ حسنِ مروّت بھی جبر ہے

آسایشِ بقا کی ہَوس جبر تھی، سو تھی
ہر لمحہ خودکشی کی سہولت بھی جبر ہے

ہم سے ہماری جنبشِ لب کا حساب کیا
ہے شکر جبر اور شکایت بھی جبر ہے

○

مِژہ خونیں تو چہرہ زرد نکلا
دل اس کرتب میں اپنے فرد نکلا

سبھی ویران تھے گھر اور گلیاں
کہیں سے اک سگِ ولگرد نکلا

ندا آئی کہ یہ شہرِ بلا ہے
پھر انبوہِ سگانِ زرد نکلا

میں نکلا تھا سُراغِ شہرِ دل کو
مگر واں دل ہی خود بے گرد نکلا

حضورِ موے زیرِ ناف یہ دل
عجب کم بخت تھا، نا مرد نکلا

ہَوَس کا مجھ میں اک دوزخ تھا لیکن
شبِ اوّل میں بالکل سرد نکلا

بُھلایا اس نے کس کس کو نہ جانے
میاں، یہ دل بڑا بے درد نکلا

میں سچ مچ اس کو کر ڈالوں گا برباد
جو دشمن کا مرے ہم درد نکلا

اگرچہ جاہلِ مطلق تھا غالبؔ
پہ ہم میں سے کئی میں فرد نکلا

○

بند باہر سے مری ذات کا دَر ہے مجھ میں
میں نہیں خود میں، یہ اک عام خبر ہے مجھ میں

اک عجب آمد و شُد ہے کہ نہ ماضی ہے نہ حال
جونؔ، برپا کئی نسلوں کا سفر ہے مجھ میں

ہے مری عمر جو حیران تماشائی...... ہے
اور اک لمحہ ہے جو زیر و زَبَر ہے مجھ میں

کیا ترستا ہوں کہ باہر کے کسی کام آئے
وہ اک انبوہ کہ بس خاک بسر ہے مجھ میں

ڈوبنے والوں کے دریا مجھے پایاب ملے
اس میں اب ڈوب رہا ہوں جو بھنور ہے مجھ میں

در و دیوار تو باہر کے ہیں ڈھینے والے
چاہے رہتا نہیں میں، پر مرا گھر ہے مجھ میں

میں جو پیکار میں اندر کی ہوں بے تیغ و زِرہ
آخرش کون ہے جو سینہ سپَر ہے مجھ میں

معرکہ گرم ہے بے طور سا کوئی ہر دَم
نہ کوئی تیغ سلامت، نہ سپَر ہے مجھ میں

زخم ہا زخم ہوں اور کوئی نہیں خوں کا نشاں
کون ہے وہ جو مرے خون میں تر ہے مجھ میں

○

نہ دو نوید، خوش انجام ڈر گئے ہیں یہاں
دلوں پہ وصل کے صدمے گذر گئے ہیں یہاں

جُدا جُدا رہو یارو، جو عافیت ہے عزیز
کہ اختلاط کے جلسے بکھر گئے ہیں یہاں

ہے تیرے جبر میں وہ لطفِ اختیار کہ بس
تمام حکم دلوں میں اتر گئے ہیں یہاں

عجب طلسم ہے کچھ شہرِ سر شناسی کا
اُدھر جو پاؤں اُٹھے ہیں تو سر گئے ہیں یہاں

امیرِ شہر بہت ناسپاس ہے ترا شہر
ہوا ہے جشن تو چہرے اتر گئے ہیں یہاں

جو دوسروں کے تکلّم میں جان ڈالتے تھے
وہ لوگ اپنے ہی ہونٹوں پہ مر گئے ہیں یہاں

(+) ہیں صبح و شام عجب اجنبی سو ایسا ہے
کہ مجھ بغیر مرے دن گزر گئے ہیں یہاں

○

روح پیاسی کہاں سے آتی ہے
یہ اُداسی کہاں سے آتی ہے

ہے وہ یک سر سُپردگی تو بھلا
بد حواسی کہاں سے آتی ہے

وہ ہم آغوش ہے تو پھر دل میں
نا سپاسی کہاں سے آتی ہے

ایک زندانِ بے دلی اور شام
یہ صبا سی کہاں سے آتی ہے

تو ہے پہلو میں پھر تری خوشبو
ہو کے باسی کہاں سے آتی ہے

دل ہے شب سُوختہ، سوائے اُمید
تو نِدا سی کہاں سے آتی ہے

میں ہوں تجھ میں اور آس ہوں تیری
تو نِراسی کہاں سے آتی ہے

(+) میری دیوی چلی گئی ہے کہاں
اُس کی داسی کہاں سے آتی ہے

(+) تخلیہ دوستو ! مجھے ڈسنے
ایک ناگن بلا سی آتی ہے

○

سارے رشتے بھلائے جائیں گے
اب تو غم بھی گنوائے جائیں گے

(+) جب بھی ہم خُوں رُلائے جائیں گے
رنگ میں مُسکرائے جائیں گے

جانیے کس قدر بچے گا وہ
اس سے جب ہم گھٹائے جائیں گے

اس کو ہوگی بڑی پشیمانی
اب جو ہم آزمائے جائیں گے

جونؔ یوں ہے کہ آج کے موسیٰ
آگ بس آگ لائے جائیں گے

کیا غرض دَورِ جام سے ہم کو
ہم تو شیشے چبائے جائیں گے

میری اُمید کو بجا کہہ کر
سب مرا دُکھ بڑھائے جائیں گے

کم سے کم تجھ گلی میں جانا نہ
دُھوم تو ہم مچائے جائیں گے

زخم پہلے کے اب مُفید نہیں
اب نئے زخم کھائے جائیں گے

وہ خدا ہو کہ آدم و ابلیس
سب کے سب آزمائے جائیں گے

شاخسارو! تمھارے سارے پرند
اک نفَس میں اڑائے جائیں گے

ہم جو اب تک کبھی نہ پائے گئے
کن زمانوں میں پائے جائیں گے

جمع ہم نے کیا ہے غم دل میں
اس کا اب سُود کھائے جائیں گے

شہر کی محفلوں میں ہم اور وہ
ساتھ اب کیوں بلائے جائیں گے

آگ سے کھیلنا ہے شوق اپنا
اب ترے خط جلائے جائیں گے

یہ نکمّے تمھارے کوچے کے
جانے کیا کچھ کمائے جائیں گے

ہے ہماری رسائی اپنے میں
ہم خود اپنے میں آئے جائیں گے

ہم نہ ہو کر بھی شہرِ بُو دِش میں
آئے جائیں گے، جائے جائیں گے

مجھ سے کہتا تھا کل یہ شاہ بلوط
سارے سایے جلائے جائیں گے

ہوگا جس دن فنا سے اپنا وصال
ہم نہایت سجائے جائیں گے

(+) ہائے وہ جنگل اور ہم اور اب
نئے جنگل اُگائے جائیں گے

(+) تا سرائے شمالِ شامِ صبا
اب تو بس اپنے سایے جائیں گے

(+) آتشیں کوئے دل ہے یخ بستہ
برف روب اب بُلائے جائیں گے

(+) جان سے دل کا معرکہ لڑنے
سب سے آگے پرائے جائیں گے

○

خود سے ہم اک نفَس ہلے بھی کہاں
اُس کو ڈھونڈیں تو وہ مِلے بھی کہاں

غم نہ ہوتا جو کِھل کے مُرجھاتے
غم تو یہ ہے کہ ہم کِھلے بھی کہاں

خوش ہو سینے کی ان خراشوں پر
پھر تنفّس کے یہ صِلے بھی کہاں

آگہی نے کیا ہو چاک جسے
وہ گریباں بھلا سِلے بھی کہاں

اب تامّل نہ کر دلِ خود کام
روٹھ لے، پھر یہ سلسلے بھی کہاں

خیمہ خیمہ گذار لے یہ شب
بامداداں یہ قافلے بھی کہاں

آؤ، آپس میں کچھ گِلے کر لیں
ورنہ یوں ہے کہ پھر گِلے بھی کہاں

○

دل میں اور دنیا میں اب نہیں ملیں گے ہم
وقت کے ہمیشہ میں اب نہیں ملیں گے ہم

اپنی بے تقاضائی اپنی وضع ٹھیری ہے
حالِ پرُ تقاضا میں اب نہیں ملیں گے ہم

بُود یا نبود اپنی اک گمان تھی اپنا
یعنی "یا" میں اور "یا" میں اب نہیں ملیں گے ہم

اب نہیں ملیں گے ہم کوچۂ تمنّا میں
کوچۂ تمنّا میں اب نہیں ملیں گے ہم

ایک خواب تھا دیروز اک فُسون تھا امروز
اور کسی بھی فردا میں اب نہیں ملیں گے ہم

اب جنون ہے اپنا گوشہ گیرِ تنہائی
سو دیار و صحرا میں اب نہیں ملیں گے ہم

حرف زن نہ ہوں گے لب جاوداں خموشی میں
ہاں کسی بھی معنیٰ میں اب نہیں ملیں گے ہم

زندگی شتاباں ہے شہرِ خفتہ کی جانب
شہرِ شور و غوغا میں اب نہیں ملیں گے ہم

ایک حالِ بے حالی دل کا طَور ٹھیرا ہے
حالِ حالت افزا میں اب نہیں ملیں گے ہم

○

رونق گرانِ کوچۂ جاناں چلے گئے
سامانیانِ بے سروساماں چلے گئے

تھیں رونقیں کبھی جو شبوں کی وہ اب کہاں
خوابیدہ گردِ شہرِ نگاراں چلے گئے

کر تہنیت قبول، ترے آستانے سے
دشوار تر تھے جو، بہت آساں چلے گئے

لب جُنبشی کی اور ہی صورت ہو اب کوئی
بزمِ نوا کے پردہ شناساں چلے گئے

اب آپ صبح و شام مسیحائی کیجیے
وہ چارہ نا پذیر، میاں جاں چلے گئے

اب دیر باوروں کا کیا کیجیے سُراغ
وہ زُود باورانِ ادب داں چلے گئے

اے سمتِ عنبرینِ شبِ انتظارِ یار
وہ انتظاریانِ صد ارماں چلے گئے

اس کا بدن عجب ہوَس انگیز ہے کہ ہے
ہم تو میاں چلے بھی گئے، ہاں چلے گئے

اُس ہندنی نے ایسی جفائیں کریں کہ بس
ہندو تھے ہم، سو ہو کے مسلماں چلے گئے

تھا جوَن اس کا ناف پیالہ کہ مے کدہ
بس لڑکھڑا کے تشنہ لباناں چلے گئے

○

ہے عجب تمھارا موسم دل و دیدہ رایگاناں
نہ وصالِ جان و جاناں، نہ فراقِ جان و جاناں

دمِ نیم شب سے پہلے نہ بکھر رہے یہ محفل
ہیں فروغِ شب کہاں گم وہ دراز داستاناں

نہیں جز غبار کچھ بھی ترے دامنِ فضا میں
ہوئے گم کہاں بیاباں وہ غبار کارواناں

وہ پسِ دریچہ کب سے ہے اس آرزو میں یارو
کہ جمے ذرا گلی میں صفِ طعنہ برزباناں

رہے جس کی جیبِ سایہ بھی تہی نہ روشنی سے
وہی زندگی کریں گے ترے شعلہ آشیاناں

مری جان تجھ سے اب بھی نہیں بے معاملہ میں
میں گِلہ کناں ہوں کب سے، ہیں کہاں گلہ رساناں

○

شمشیر میری، میری سپر کس کے پاس ہے
دو میرا خود، پر، مرا سَر کس کے پاس ہے

درپیش ایک کام ہے ہمّت کا ساتھیو!
کسنا ہے مجھ کو، میری کمر کس کے پاس ہے

طاری ہو مجھ پہ کون سی حالت مجھے بتاؤ
میرا حسابِ نفع و ضرر کس کے پاس ہے

اے اہلِ شہر میں تو دُعا گوے شہر ہوں
لب پر مرے دعا ہے، اثر کس کے پاس ہے

داد و بِتد کے شہر میں ہونے کو آئی شام
خواہش ہے میرے پاس، خبر کس کے پاس ہے

بُرُ حال ہوں، بہ صورتِ احوال کچھ نہیں
حیرت ہے میرے پاس، نظر کس کے پاس ہے

اک آفتاب ہے مری جیب نگاہ میں
پہنائیِ نمودِ سحر کس کے پاس ہے

قصّہ کشور کا نہیں کوشک کا ہے کہ ہے
دروازہ سب کے پاس ہے، گھر کس کے پاس ہے

مہمانِ قصر ہیں ہمیں کچھ رمز چاہییں
یہ پوچھ کے بتاؤ کھنڈر کس کے پاس ہے

اُتھلا سا ناف پیالہ ہماری نہیں تلاش
اے لڑکیو! بتاؤ بھنور کس کے پاس ہے

ناخن بڑھے ہوئے ہیں مرے، مجھ سے کر حذر
یہ جا کے دیکھ نیل کٹر کس کے پاس ہے

یارا جو ہے مزارۂ شہرِ حرامیاں
اس شہر کی کلیدِ ہنر کس کے پاس ہے

○

اُٹھ سَمادھی سے دھیان کی، اٹھ چل
اس گلی سے گمان کی، اٹھ چل

مانگتے ہوں جہاں لہو بھی اُدھار
تو نے واں کیوں دکان کی، اٹھ چل

بیٹھ مت ایک آستاں پہ ابھی
عمر ہے یہ اٹھان کی، اٹھ چل

کسی بستی کا ہو نہ پابَستہ
سیر کر اس جہان کی، اٹھ چل

دل ہے جس غم ہمیشگی کا اسیر
ہے وہ بس ایک آن کی، اٹھ چل

جسم میں پاؤں ہیں ابھی موجود
جنگ کرنا ہے جان کی، اٹھ چل

تو ہے بے حال اور یہاں سازش
ہے کسی امتحان کی، اٹھ چل

ہیں مداروں میں اپنے سیّارے
یہ گھڑی ہے امان کی، اٹھ چل

کیا ہے پردیس کو جو دیس کہا
تھی وہ لکنت زبان کی، اٹھ چل

ہر کنارہ خرامِ موج تجھے
یاد کرتی ہے بان[1] کی، اٹھ چل

---

[1] امروہے کی ایک ندی۔

○

ترے غرور کا حُلیہ بگاڑ ڈالوں گا
میں آج تیرا گریبان پھاڑ ڈالوں گا

طرح طرح کے شگوفے جو چھوڑتا ہے تو
میں دل کا باغِ نمو ہی اُجاڑ ڈالوں گا

کہاں کا سیلِ ازل تا کنارگاہِ ابد
میں ہوں عدم، مَیں سبھی کو لتاڑ ڈالوں گا

بہت ادا سے تو گذرا ہے چشمہ ساروں سے
یہ سُن کہ راہ میں تیری مَیں باڑ ڈالوں گا

شگوفگی کی تری یاد جو دلاتے ہیں
میں ایسے سارے ہی پودے اُکھاڑ ڈالوں گا

یہ طے کیا ہے کہ دریائے موجِ مستی کو
سرابِ دشتِ تپیدہ میں گاڑ ڈالوں گا

تمام نقشِ تمنّا فریب تھے، سو تھے
میں سارے نقشِ تمنّا بگاڑ ڈالوں گا

جو رشتہ ہے دل و جاں کا ہے سَر بہ سَر جھُوٹا
سو، میں تو اب دل و جاں میں دراڑ ڈالوں گا

جھنڈولے بالوں کی پُرفتنہ، اس سے کہہ دینا
میں اس کمین کو زندہ ہی گاڑ ڈالوں گا

مجھے تو اب اسے دنگل میں گندہ کرنا ہے
سو، میں اسے بُرے حالوں پچھاڑ ڈالوں گا

○

زندانیانِ شام و سَحَر خیریت سے ہیں
ہر لمحہ جی رہے ہیں مگر خیریت سے ہیں

شہرِ یقیں میں اب کوئی دَم خَم نہیں رہا
دشتِ گماں کے خاک بسر خیریت سے ہیں

آخر ہے کون جو کسی پل کہہ سکے یہ بات
اللہ اور تمام بشر خیریت سے ہیں

ہے اپنے اپنے طور پہ ہر چیز اس گھڑی
مژگانِ خشک و دامنِ تر خیریت سے ہیں

اب فیصلوں کا کم نظروں پر مدار ہے
یعنی تمام اہلِ نظر خیریت سے ہیں

پیروں سے آبلوں کا وہی ہے معاملہ
سودائیانِ حال کے سر خیریت سے ہیں

ہم جن گھروں کو چھوڑ کے آئے تھے ناگہاں
شکوے کی بات ہے، وہ اگر خیریت سے ہیں

لُو چل رہی ہے، محو ہے اپنے میں دوپہر
خاک اُڑ رہی ہے اور کھنڈر خیریت سے ہیں

ہم اہلِ شہر اپنے جوانوں کے درمیاں
جون! ایک معجزہ ہے اگر خیریت سے ہیں

برباد ہو چکا ہے ہُنر اِک ہُنر کے ساتھ
اور اپنے صاحبانِ ہُنر خیریت سے ہیں

شکرِ خدا شہید ہوئے اہلِ حق تمام
بَرگستوان و تیغ و تبر خیریت سے ہیں

اب اُس کا قصرِ ناز کہاں اور وہ کہاں
بس دَر ہے اور بندۂ دَر خیریت سے ہیں

ہم ہیں کہ شاعری ہے ہمارے لیے عذاب
ورنہ تمام جوش و جگر خیریت سے ہیں

(+) شاعر تو دو ہیں میرؔ تقی اور میر جونؔ
باقی جو ہیں وہ شام و سحر خیریت سے ہیں

○

مے خانہ طرف آیا، یاراں! دل و جاں انگیز
وہ تشنہ لباں ہم دَم، تہ جُرعہ کشاں انگیز

پہنچا ہے میانِ شہر، بادل زدگانِ شہر
وہ عشرتیاں آشوب، وہ حسرتیاں انگیز

شوریدہ سَراں درپس، خونیں جگراں درپیش
گُل گشت کو نکلا ہے، وہ جانِ جہاں انگیز

حلقے میں درآیا ہے کیا کوئی فراغت دوست؟
ہے سخت براشفتہ، وہ محنتیاں انگیز

خود مست ہے اور کتنا، تر دست ہے اور کیسا
وہ خود نگراں افگن، وہ منتظراں انگیز

ہے دَیر بھی فریادی، کعبہ بھی ہے زِنہاری
کس دُھوم سے آیا وہ، یزداں شِکناں انگیز

اے دل وہ بُتِ شنگل، کیا طُرفہ ادا ہوگا
میں ذکر سے جس کے ہوں، یاں مجلسیاں انگیز

کب تجھ کو دمکنا ہے، کب تجھ کو مہکنا ہے
اے رنگِ یقیں افروز، اے بوے گماں انگیز

○

وہی حسابِ تمنّا ہے، اب بھی آ جاؤ
وہی ہے سر وہی سودا ہے، اب بھی آ جاؤ

جسے گئے ہوئے خود سے اب اک زمانہ ہوا
وہ اب بھی تم میں بھٹکتا ہے، اب بھی آ جاؤ

وہ دل سے ہار گیا ہے پر اپنی دانش میں
وہ شخص اب بھی یگانہ ہے، اب بھی آ جاؤ

میں خود نہیں ہوں کوئی اور ہے مرے اندر
جو تم کو اب بھی ترستا ہے، اب بھی آ جاؤ

میں یاں سے جانے ہی والا ہوں اب مگر اب تک
وہی ہے گھر وہی حجرا ہے، اب بھی آ جاؤ

وہی کشاکشِ احساس ہے بہ ہر لمحہ
وہی ہے دل، وہی دنیا ہے، اب بھی آ جاؤ

تمھیں تھا ناز بہت جس کی نام داری پر
وہ سارے شہر میں رُسوا ہے، اب بھی آ جاؤ

یہاں سے ساتھ ہی خوابوں کے شہر جائیں گے
وہی جنوں، وہی صحرا ہے، اب بھی آ جاؤ

مری شراب کا شہرہ ہے اب زمانے میں
سو یہ کرم ہے تو کس کا ہے، اب بھی آ جاؤ

یہ طَور! جان جو ہے میری بد شرابی کا
مجھے بھلا نہیں لگتا ہے، اب بھی آ جاؤ

کسی سے کوئی بھی شکوا نہیں مگر تم سے
ابھی تلک مجھے شکوا ہے، اب بھی آ جاؤ

وہ دل کہ اب ہے لُہو تھوکنا ہُنر جس کا
وہ کم سے کم ابھی زندہ ہے، اب بھی آ جاؤ

نہ جانے کیا ہے کہ اب تک مرا خود اپنے سے
وہی جو تھا وہی رشتہ ہے، اب بھی آ جاؤ

وجود ایک تماشا تھا ہم جو دیکھتے تھے
وہ اب بھی ایک تماشا ہے، اب بھی آ جاؤ

ابھی صدائے جرس کا نہیں ہوا آغاز
غبار ابھی نہیں اُٹھا ہے، اب بھی آ جاؤ

ہے میرے دل کی گذارش کہ مجھ کو مت چھوڑو
یہ میری جاں کا تقاضا ہے، اب بھی آ جاؤ

کبھی جو ہم نے بڑے مان سے بسایا تھا
وہ گھر اجڑنے ہی والا ہے، اب بھی آ جاؤ

میں لڑکھڑاتا ہوا موت کی طرف ہوں رواں (+)
بس آخری ہے جو لمحہ ہے' اب بھی آ جاؤ

وہ جونؔ کون ہے جانے' جو کچھ نہیں سنتا
ہے جانے کون جو کہتا ہے، اب بھی آ جاؤ

○

یہ پیہم تلخ کامی سی رہی کیا
محبت زہر کھا کر آئی تھی کیا

مجھے اب تم سے ڈر لگنے لگا ہے
تمھیں مجھ سے محبت ہوگئی کیا

شکستِ اعتمادِ ذات کے وقت
قیامت آرہی تھی، آگئی کیا

مجھے شکوا نہیں بس پوچھنا ہے
یہ تم ہنستی ہو اپنی ہی ہنسی کیا

ہمیں شکوا نہیں اک دوسرے سے
منانا چاہیے اس پر خوشی کیا

پڑے ہیں ایک گوشے میں گماں کے
بھلا ہم کیا، ہماری زندگی کیا

میں رُخصت ہو رہا ہوں، پر تمھاری
اداسی ہوگئی ہے ملتوی کیا

میں اب ہر شخص سے اکتا چکا ہوں
فقط کچھ دوست ہیں، اور دوست بھی کیا

محبّت میں ہمیں پاسِ انا تھا
بدن کی اشتہاء صادق نہ تھی کیا

نہیں رشتہ سموچا زندگی سے
نہ جانے ہم میں ہے اپنی کمی کیا

ابھی ہونے کی باتیں ہیں، سو کر لو
ابھی تو کچھ نہیں ہونا، ابھی کیا

یہی پوچھا کیا میں آج دن بھر
ہر اک انسان کو روٹی ملی کیا

(+) یہ ربطِ بے شکایت اور یہ میں
جو شے سینے میں تھی وہ بُجھ گئی کیا

○

جونؔ گذشتِ وقت کی حالتِ حال پر سلام
اس کے فراق کو دعا، اس کے وصال پر سلام

تیرا ستم بھی تھا کرم، تیرا کرم بھی تھا ستم
بندگی تیری تیغ کو، اور تری ڈھال پر سلام

سُود و زیاں کے فرق کا اب نہیں ہم سے واسطہ
صبح کو عرضِ کورنش، شامِ ملال پر سلام

اب تو نہیں ہے لذّتِ ممکنِ شوق بھی نصیب
روز و شبِ زمانۂ شوقِ محال پر سلام

ہجر سوال کے ہیں دن، ہجر جواب کے ہیں دن
اس کے جواب پر سلام، اپنے سوال پر سلام

جانے وہ رنگ مستیِ خواب و خیال کیا ہوئی
عشرتِ خواب کی ثنا، عیشِ خیال پر سلام

اپنا کمال تھا عجب، اپنا زوال تھا عجب
اپنے کمال پر سلام اپنے زوال پر سلام

○

وہ اپنے آپ سے بھی جدا چاہیے ہمیں
اُس کا جمال اس کے سوا چاہیے ہمیں

ہر لمحہ جی رہے ہیں دوا کے بغیر ہم
چارہ گرو! تمہاری دعا چاہیے ہمیں

پھر دیکھیے جو حرف بھی نکلے زبان سے
اک دن جو پوچھ بیٹھیے کیا چاہیے ہمیں

جانا نہیں ہے گھر سے نکل کے کہیں مگر
ہر ماہ رُو کے گھر کا پتا چاہیے ہمیں

کہنے کو حق نگر ہیں حقیقت ہے آرزو
سچ پوچھیے اگر تو خدا چاہیے ہمیں

ہم موجۂ شمیم کی صورت برہنہ ہیں
تُو رنگ بن کے آ کہ رِدا چاہیے ہمیں

اندازۂ صدائے جَرس سے حُصول کیا
واماندگاں ہیں، دوشِ صبا چاہیے ہمیں

مدّت سے ہم کسی کو نہیں دے سکے فریب
اے شہرِ التفات، وفا چاہیے ہمیں

ہر آن آخری ہے مگر اس کے باوجود
اس آن بھی یقینِ فنا چاہیے ہمیں

○

اے صبح! میں اب کہاں رہا ہوں
خوابوں ہی میں صَرف ہو چکا ہوں

سب میرے بغیر مطمئن ہیں
میں سب کے بغیر جی رہا ہوں

کیا ہے جو بدل گئی ہے دنیا
میں بھی تو بہت بدل گیا ہوں

گو اپنے ہزار نام رکھ لوں
پر اپنے سِوا میں اور کیا ہوں

میں جُرم کا اعتراف کر کے
کچھ اور ہے جو چُھپا گیا ہوں

میں اور فقط اسی کی خواہش
اخلاق میں جھوٹ بولتا ہوں

اک شخص جو مجھ سے وقت لے کر
آج آ نہ سکا تو خوش ہوا ہوں

ہر شخص سے بے نیاز ہو جا
پھر سب سے یہ کہہ کہ میں خدا ہوں

چرکے تو تجھے دیے ہیں میں نے
پر خون بھی میں ہی تھوکتا ہوں

رویا ہوں تو اپنے دوستوں میں
پر تجھ سے تو ہنس کے ہی ملا ہوں

اے شخص! میں تیری جستجو سے
بے زار نہیں ہوں، تھک گیا ہوں

میں شام و سحر کا نغمہ گر تھا
اب تھک کے کراہنے لگا ہوں

کل پر ہی رکھو وفا کی باتیں
میں آج بہت بُجھا ہوا ہوں

(+) کوئی بھی نہیں ہے مجھ سے نادم
بس طے یہ ہوا کہ میں بُرا ہوں

○

مجھ کو آپ اپنا آپ دیجیے گا
اور کچھ بھی نہ مجھ سے لیجیے گا

آپ بے مِثل، بے مثال ہوں میں
مجھ سِوا آپ کس پہ ریجھیے گا

آپ جو ہیں ازل سے ہی بے نام
نام میرا کبھی تو لیجیے گا

آپ بس مجھ میں ہی تو ہیں، سو آپ
میرا بے حد خیال کیجیے...... گا

ہے اگر واقعی شراب حرام
آپ ہونٹوں سے میرے پیجیے گا

انتظاری ہوں اپنا میں دن رات
اب مجھے آپ بھیج دیجیے گا

آپ مجھ کو بہت پسند آئیں
آپ میری قمیص سی جیے گا

دل کے رشتے ہیں جونؔ جھوٹ کہ سچ
یہ معمّا کبھی نہ بوجھیے...... گا

ہے مرے جسم و جاں کا ماضی کیا
مجھ سے بس یہ کبھی نہ پوچھیے گا

مجھ سے میری کمائی کا سرِ شام
پائی پائی حساب لیجیے گا

زندگی کیا ہے اک ہُنر کرنا
سو، قرینے سے زہر پیجیے گا

میں جو ہوں، جونؔ ایلیا ہوں جناب
اس کا بے حد لحاظ کیجیے گا

(+) ایک نکتہ نہ بھولیے گا کبھی
مرتے رہیے گا اور جی جیے گا

(+) ہوسِ جاوداں ہیں آپ مری
اب تو جُم جُم جناب جی جیے گا

○

کوئی نہیں یہاں خموش، کوئی پکارتا نہیں
شہر میں ایک شور ہے اور کوئی صدا نہیں

آج وہ پڑھ لیا گیا جس کو پڑھا نہ جاسکا
آج کسی کتاب میں، کچھ بھی لکھا ہوا نہیں

اپنے سبھی گِلے بجا، پر ہے یہی کہ دل رُبا
میرا ترا معاملہ عشق کے بس کا تھا نہیں

خرچ چلے گا اب مرا کس کے حساب میں بھلا
سب کے لیے بہت ہوں میں، اپنے لیے ذرا نہیں

جائیے خود میں رایگاں اور وہ یوں کہ دوستاں
ذات کا کوئی ماجرا، شہر کا ماجرا نہیں

(+) جب وہ نگارِ سہسرام، ہم سے ہوا تھا ہمکنار
کون بہار کا نہ تھا، کون بہار کا نہیں

(+) دل مری جان مان لو، آپ نے خودکشی تو کی
وہ فقط آسماں کا ہے، جو بھی زمین کا نہیں

(+) رسمِ وفا بدل چلیں، یاں سے کہیں نکل چلیں
کوئے ختن میں یار کی، اب وہ مزہ رہا نہیں

سینہ بہ سینہ لب بہ لب ایک فراق ہے کہ ہے
ایک فراق ہے کہ ہے، ایک فراق کیا نہیں

اپنا شمار کیجیو اے مری جان! تو کبھی
میں نے بھی اپنے آپ کو آج تلک گِنا نہیں

تو وہ بدن ہے جس میں جان، آج لگا ہے جی مرا
جی تو کہیں لگا ترا، سُن، ترا جی لگا نہیں

نام ہی نام چار سو، ایک ہجوم رُوبرو
کوئی تو ہو مرے سوا، کوئی مرے سوا نہیں

اپنی جبین پہ میں نے آج دیں کئی بار دستکیں
کوئی پتا بھی ہے ترا، میرا کوئی پتا نہیں

(+) پوچھ تو واقعہ ہے کیا، دیکھ تو حادثہ ہے کیا
شام ہے اور شہر میں، گھر کوئی جل رہا نہیں

(+) ایک عجیب کربلا، صبح سے تھی وہاں بپا
عرصۂ دل میں شام تک، کوئی بچا بھی یا نہیں

(+) رشتۂ وہ شوق کا جو تھا، شوق کی نذر ہو گیا
اب کوئی بے وفا نہیں، اب کوئی با وفا نہیں

○

یہ جو سُنا اک، دن وہ حویلی یک سر بے آثار گری
ہم جب بھی سائے میں بیٹھے، دل پر اک دیوار گری

جوں ہی مڑ کر دیکھا میں نے، بیچ اٹھی تھی اک دیوار
بس یوں سمجھو میرے اوپر، بجلی سی اک بار گری

دھار پہ باڑ رکھی جائے اور ہم اس کے گھائل ٹھہریں
میں نے دیکھا اور نظروں سے ان پلکوں کی دھار گری

گرنے والی اُن تعمیروں میں بھی ایک سلیقہ تھا
تم اینٹوں کی پوچھ رہے ہو، مٹّی تک ہم وار گری

بیداری کے بستر پر میں ان کے خواب سجاتا ہوں
نیند بھی جن کی ٹاٹ کے اوپر خوابوں سے نادار گری

خوب ہی تھی وہ قومِ شہیداں، یعنی سب بے زخم وخراش
میں بھی اس صف میں تھا شامل وہ صف جو بے دار گری

ہر لمحہ گھمسان کا رن ہے، کون اپنے اوسان میں ہے
کون ہے یہ؟ اچھا تو میں ہوں، لاش تو ہاں اک یار گری

(+) میرے قلم کے نا فرماں تھے سارے محمود اور ایاز
اچھا ہے اُن کے ہاتھوں سے بے حُکمی تلوار گری

(+) خشک و تر کیا اور نظر کیا اور فضاؤں کے پیکر کیا
لہروں کے سانچے سے نکل کر لہروں کی بوچھار گری

○

جو زندگی بچی ہے اسے مت گنوایئے
بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے بھول جایئے

ہر آن اک جدائی ہے خود اپنے آپ سے
ہر آن کا ہے زخم جو ہر آن کھایئے

تھی مشورت کہ ہم کو بسانا ہے گھر نیا
دل نے کہا کہ میرے در و بام ڈھایئے

تھوکا ہے میں نے خون ہمیشہ مذاق میں
میرا مذاق آپ ہمیشہ اُڑایئے

ہرگز مرے حضور کبھی آیئے نہ آپ
اور آیئے اگر، تو خدا بن کے آیئے

اب کوئی بھی نہیں ہے کوئی دل محلّے میں
کس کس گلی میں جایئے اور غل مچایئے

اک طورِ دہ صدی تھا جو بے طور ہو گیا
اب جنتری بجایئے، تاریخ گایئے

اک لال قلعہ تھا جو میاں زرد پڑ گیا
اب رنگ ریز کون سے، کس جا سے لایئے

شاعر ہیں آپ یعنی کہ ستے لطیفہ گو
رشتوں کو دل سے رویئے، سب کو ہنسایئے

جو حالتوں کا دور تھا، وہ تو گذر گیا
دل کو جلا چکے ہیں، سو اب گھر جلایئے

اب کیا فریب دیجیے اور کس کو دیجیے
اب کیا فریب کھائیے اور کس سے کھائیے

ہے یاد پر مدار مرے کاروبار کا
ہے عرض آپ مجھ کو بہت یاد آئیے

بس فائلوں کا بوجھ اُٹھایا کریں جناب
مصرع یہ جونؔ کا ہے اسے مت اُٹھائیے

○

مجھے غرض ہے مری جان غُل مچانے سے
نہ تیرے آنے سے مطلب، نہ تیرے جانے سے

عجیب ہے مری فطرت کہ آج ہی مثلاً
مجھے سکون ملا ہے ترے نہ آنے سے

اک اجتہاد کا پہلو ضرور ہے تجھ میں
خوشی ہوئی ترے نا وقت مسکرانے سے

یہ میرا جوشِ محبت فقط عبارت ہے
تمھاری چمپئی رانوں کو نوچ کھانے سے

مہذّب آدمی پتلون کے بٹن تو لگا
کہ اِرتقا ہے عبارت بٹن لگانے سے

○

تو اگر آئیو تو جائیو مت
اور اگر جائیو تو آئیو مت

پاسِ حالات ہے ضرور سو تو
مسکراؤ تو مسکرائیو مت

اک قیامت عذاب ہے یہ زمیں
تو اسے آسماں پہ ڈھائیو مت

جا رہے ہو تو جاؤ لیکن اب
یاد اپنی مجھے دلائیو مت

دل ہے خوابِ زمردینِ خیال
تو اسے اب کبھی جگائیو مت

ہے مرا یہ ترا پیالۂ ناف
اس سے تو غیر کو پلائیو مت

گوشہ گیرِ غبارِ دشتِ اُمید
تو کبھی اپنا گھر بسائیو مت

میری تو خود تجھی سے دُوری ہے
سو، مجھے تو گلے لگائیو مت

شبِ ظلمانیِ سَحر ناپَید
مختصر داستاں سنائیو مت

یہ لُہو تُھوکنا ہے اک پیشہ
کوئی پیشہ وَری دکھائیو مت

کیا بھلا جُز خیال ہیں ہم تم
مجھ سے اپنے کو تو چھڑائیو مت

(+) تم عماری میں آئیو بَن میں
کسی لیلیٰ سے داد پائیو مت

جاودانی ہے بات لمحے کی
تو مجھے روز روز بھائیو مت

دینِ دل میں جہاد ہے ممنوع
تو یونہی اپنا سر کٹائیو مت

ہیں یہ لمحات، جاوداں جانی
اپنی بےچینیاں دبائیو مت

شوق کا اک بجار ہوں میں تو
تم کبھی بھی مجھے سدھائیو مت

(+) بُود بےصورتی کی صورت ہے
کسی صورت میں تُو سمائیو مت

(+) جانے وہ کون شخص ہو، کیا ہو
تُو کسی کو کبھی بُلائیو مت

(+) پرتو نیم رنگِ مہتابی
میرے آنگن کو جگمگائیو مت

(+) شبِ ظلمانی اور سحر ناپید
کبھی نا وقت گنگنائیو مت

(+) شب یہ بابا الف نے فرمایا
جو بھی کھویا ہے اُس کو پائیو مت

○

آفرینش ہی فن کی ہے ایجاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

فن ہے اپنے زیاد سے بھی زیاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

ہے گماں ہی گمان کی بنیاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

تم بھی تو اک جہاں کرو ایجاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

خود بھی خود سے کبھی رہو آزاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

اور بھی ہم میں ہیں کئی افراد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

کوئی بنیاد کی نہیں بنیاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

نہیں اندر جہان جہاں آباد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

سخت آفت رساں ہے یاد کی یاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

جو ہے استاد، وہ ہے بے استاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

○

بد دلی میں بے قراری کو قرار آیا تو کیا
پا پیادہ ہو کے کوئی شہ سوار آیا تو کیا

زندگی کی دھوپ میں مُرجھا گیا میرا شباب
اب بہار آئی تو کیا، ابرِ بہار آیا تو کیا

میرے تیور بجھ گئے، میری نگاہیں جل گئیں
اب کوئی آئینہ رُو آئینہ دار آیا تو کیا

اب کہ جب جانانہ تم کو ہے سبھی پر اعتبار
اب تمھیں جانانہ مجھ پر اعتبار آیا تو کیا

اب مجھے خود اپنی بانہوں پر نہیں ہے اختیار
ہاتھ پھیلائے کوئی بے اختیار آیا تو کیا

وہ تو اب بھی خواب ہے، بیدار بینائی کا خواب
زندگی مَیں خواب میں اس کے گذار آیا تو کیا

ہم یہاں بیگانہ ہیں، سو ہم میں سے جونؔ ایلیا
کوئی جیت آیا یہاں اور کوئی ہار آیا تو کیا

O

ایک آفت ہے وہ پیالۂ ناف
کیا قیامت ہے وہ پیالۂ ناف

اب کہاں ہوش ہم کو حشر تلک
کہ سلامت ہے وہ پیالۂ ناف

جونؔ، بابا الف کا ہے ارشاد
کارِ وحدت ہے وہ پیالۂ ناف

شب خرابات میں رہا یہ سُخن
دل کی رُخصت ہے وہ پیالۂ ناف

زندگی آرزو کا قامت ہے
نافِ قامت ہے وہ پیالۂ ناف

ہے اسی کی گدائی پر گذران
دل کی دولت ہے وہ پیالۂ ناف

اس کی جُنبش ہے تشنگی انگیز
حشرِ حالت ہے وہ پیالۂ ناف

زندگی ہے شرابیوں کی حرام
قدرِ حُرمت ہے وہ پیالۂ ناف

کوئی اس کی رَسَد نہیں جُز رنگ
خونِ حسرت ہے وہ پیالۂ ناف

(+) یار پستاں تو گوشت پارے ہیں
رمز نزہت ہے وہ پیالۂ ناف

(+) سارے رندانِ شامِ حیرت کا
مالِ حیرت ہے وہ پیالۂ ناف

(+) بس وہی ہے' وہی ہے اور وہی
وحدیت ہے وہ پیالۂ ناف

(+) بس جُھکا لو سروں کو سر مستو !
نازِ غیرت ہے وہ پیالۂ ناف

○

عالم سا عالم ہے، اب تم یاد نہیں آتے
کیسا قاتل غم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

دنیا یعنی دنیا یعنی میری دل دنیا
درہم اور برہم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

اک بے احوالی سی ہے ایسی جو ہے بیش از بیش
حالتِ دل کم کم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

زخم ہیں سینے کے کجلائے اور سرِ شب سے
داغ کی لو مدھم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

اب ہیں تمھاری اُلجھی زلفیں سلجھانا آسان
زلفِ شب بے خم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

زخموں کی ہر فصل ہے گذری، بس بے فصلی ہے
مرہم ہی مرہم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

دشتِ تحیّر بے جنبش ہے اور عجب کچھ ہے
ہر آہو بے رَم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

اب نہیں دل کا کوئی زمانہ، کوئی زمانہ بھی
آن سی اب جم جم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

اب تو بس روزانگیِ یک طور کی حالت ہے
جو کچھ ہے، پیہم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

سوز و سلام و مرثیہ کیسا، کیسا ذکر بھلا
مجلسِ بے ماتم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

(+)
محرم نامحرم ٹھہرا ہے یعنی کوئی بھی
نا محرم ' محرم ہے ' اب تم یاد نہیں آتے

○

غم گساروں کو مجھ سے مطلب کیا[1]
جو بھی ہونا تھا ہو چکا، اب کیا

پُرسشِ حال ہے، نہ رسمِ تپاک
ہو گیا ہوں بہت مقرّب کیا

ہو رہا ہوں یہاں وہاں رُوپوش
بستیاں ہوگئیں مہذّب کیا

خود سے کرنا ہے سُوزِ فن کا سخن
ہیں مرے داغ سب مرتّب کیا

حالِ شعلہ ورِ لبِ فریاد
راکھ بھی ہو سکے ترے لب کیا

وہ جو ہے، ہے عجب ہوَس انگیز
ہے بہت پاک اس کا قالب کیا

کیا کہوں رزقِ اوّلِ شب کی
ہے مرا رزقِ آخرِ شب کیا

[1] میرے عزیز سحر انصاری نے بہت پہلے اس زمین میں ایک آتشی غزل کہی تھی، سو، یہ اس کا پرتو ہے۔

اب تو اپنے سے دور پار ہوں میں
تو اگر مل گیا مجھے، تب کیا

وار کاری ہے ساتھیو، یارو
لو سنبھالو! چلے گئے سب کیا

جونؔ، او خُون تھوکنے والے!
اب دکھانا تجھے ہے کرتب کیا

(+) جب زلیخا کنیز آپ کی تھی
آپ خوش حال تھے بہت جب کیا

(+) لب و پستان و ناف کی ترے خیر
تُو نہ ہو گا کبھی مودّب کیا

(+) اوقیانوسِ بیکرانِ خیال
ڈوب جائیں شناوراں سب کیا

اے خدا ساز بندگانِ خدا
خود سبب بن گیا مسبّب کیا

چاہیے دفترِ ہمیشہ بوُد
یعنی ہونا ہے آخرش کب کیا

دل کو کرنا ہے زندگی دو پل
اس کا ہے نسخۂ مجرّب کیا

کوئی معنی نہیں کسی شے کے
اور اگر ہوں بھی، تو میاں تب کیا

(+) عرض بابا الف یہ ہے میری
جب نہ تھا کچھ بھی تھا یہاں تب کیا

(+) رہتے ہی تو ہیں اپنے آپ میں ہم
اپنے باہر جو بس گئے تب کیا

(+) ایزد و اہرمن سے بھی پوچھو
آخر اس زندگی کا ہے ڈھب کیا

(+) ہے بس اِک آن ہو ازل کہ ابد
ایلیا جون! اس میں اب تب کیا

○

دل ہے بسمل، پڑا تڑپتا ہے
اپنا قاتل پڑا تڑپتا ہے

اک مقابل طلب سرِ میداں
بے مقابل پڑا تڑپتا ہے

وہ طلب میں ہے جس کے محملِ رنگ
پسِ محمل پڑا تڑپتا ہے

راہِ منزل میں تھا جو رقص کناں
سرِ منزل پڑا تڑپتا ہے

بس تڑپنے کی تھی ہوس جس کو
اب بہ مشکل پڑا تڑپتا ہے

کچھ تو احساس کر کہ تیرے حضور
کیسا قابل پڑا تڑپتا ہے

میرِ محفل کا طور ہے بے طور
بیچ محفل پڑا تڑپتا ہے

اک نفس ہے کہ دو نفس کے بیچ
ہو کے حائل پڑا تڑپتا ہے

نہ تو کوئی وصال ہے، نہ فراق
بس میاں، دل پڑا تڑپتا ہے

○

ہائے جانانہ کی مہماں داریاں
اور مجھ دل کی بدن آزاریاں

ڈھاگئیں دل کو تری دہلیز...... پر
تیری قتّالہ...... سرینیں...... بھاریاں

اُف، شکن ہائے شکم، جانم تری
کیا کٹاریں ہیں، کٹاریں کاریاں

ہائے تیری چھاتیوں کا تن تناؤ
پھر تری مجبوریاں، ناچاریاں

تشنہ لب ہے کب سے دل سا شیر خوار
تیرے دُودھوں سے ہیں چشمے جاریاں

دُکھ غرورِ حُسن کے جانا ہے کون
کس نے سمجھیں حسن کی دشواریاں

اپنے درباں کو سنبھالے رکھیے
ہیں ہوَس کی اپنی عزّت داریاں

ہیں سِدھاری کون سے شہروں طرف
لڑکیاں وہ دل گلی کی ساریاں

خواب جو تعبیر کے بس کے نہ تھے
دوستوں نے ان پہ جانیں واریاں

خلوتِ مضرابِ سازِ ناز میں
چاہییں ہم کو تری سِسکاریاں

لفظ و معنیٰ کا بہم کیوں ہے سخن
کس زمانے میں تھیں ان میں یاریاں

شوق کا اک داؤ بے شوقی بھی ہے
ہم ہیں اس کے حُسن کے انکاریاں

مجھ سے بد طوری نہ کر او شہریار
میرے جوتوں کے ہیں تلوے خاریاں

کھا گئیں اُس ظالِم مظلوم کو
میری مظلومی نما عیّاریاں

(+) یہ حرامی ہیں غریبوں کے رقیب
ہیں ملازم سب کے سب سرکاریاں

(+) وہ جو ہیں جیتے انہوں نے بے طرح
جیتنے پر ہمتیں ہیں ہاریاں

(+) تم سے جو کچھ بھی کہہ نہ پائیں میاں
آخرش کرتیں وہ کیا بیچاریاں

○

سلسلہ جنباں اک تنہا سے روح کسی تنہا کی تھی
ایک آواز ابھی آئی تھی، وہ آواز ہوا کی......تھی

بے دنیائی نے اس دل کی اور بھی دنیا دار کیا
دل پر ایسی ٹوٹی دنیا، ترک ذرا دنیا کی تھی

میری رنگ تمنائی بھی فصلوں میرے کام آئی
میرے گماں کی خوشبو اُس کی رنگت کو پہنا کی تھی

اپنے اندر ہنستا ہوں میں اور بہت شرماتا ہوں
خون بھی تھوکا، سچ مچ تھوکا اور یہ سب چالاکی تھی

اپنے آپ سے جب میں گیا ہوں، تب کی روایت سنتا ہوں
آ کر کتنے دن تک اس کی یاد مجھے پوچھا کی تھی

ہوں سودائی سودائی سا جب سے میں نے جانا ہے
طے وہ راہِ سر سودائی میں نے بے سودا کی تھی

گرد تھی بے گانہ گردی کی جو تھی نگہ میری، تاہم
جب بھی کوئی صورت بچھڑی، آنکھوں میں نمنا کی تھی

ہے یہ قصّہ کتنا اچھا، پر میں اچھا سمجھوں...... تو
ایک تھا کوئی جس نے یک دَم یہ دنیا پیدا کی تھی

(+) بے سمتی کی بیباکی میں کیا احساس' کہاں کا پاس
جس کو محبت سمجھا تھا میں' میری نا بیباکی تھی

○

ہم آندھیوں کے بَن میں کسی کارواں کے تھے
جانے کہاں سے آئے ہیں، جانے کہاں کے تھے

اے جانِ داستاں! تجھے آیا کبھی خیال
وہ لوگ کیا ہوئے جو تری داستاں کے تھے

ہم تیرے آستاں پہ یہ کہنے کو آئے ہیں
وہ خاک ہو گئے جو ترے آستاں کے تھے

مل کر تپاک سے نہ ہمیں کیجیے اُداس
خاطر نہ کیجیے کبھی ہم بھی یہاں کے تھے

کیا پوچھتے ہو نام و نشانِ مسافراں
ہندوستاں میں آئے ہیں، ہندوستاں کے تھے

اب خاک اُڑ رہی ہے یہاں انتظار کی
اے دل! یہ بام و دَر کسی جانِ جہاں کے تھے

ہم کس کو دیں بھلا دَر و دیوار کا حساب
یہ ہم جو ہیں، زمیں کے نہ تھے آسماں کے تھے

ہم سے چھنا ہے ناف پیالہ ترا میاں
گویا ازل سے ہم صفِ لب تشنگاں کے تھے

ہم کو حقیقتوں نے کیا ہے خراب و خوار
ہم خوابِ خواب اور گمانِ گماں کے تھے

صد یاد یاد جونؔ وہ ہنگامِ دل کہ جب
ہم ایک گام کے نہ تھے، پر ہفت خواں کے تھے

وہ رشتہ ہائے ذات جو برباد ہو گئے
میرے گماں کے تھے کہ تمھارے گماں کے تھے

○

ٹھیک ہے خود کو ہم بدلتے ہیں
شکریہ مشورت کا ' چلتے ہیں

(+) اُس کے پہلو سے لگ کے چلتے ہیں
ہم کہیں ٹالنے سے ٹلتے ہیں

ہو رہا ہوں میں کس طرح برباد
دیکھنے والے ہاتھ ملتے ...... ہیں

ہے وہ جان اب ہر ایک محفل کی
ہم بھی اب گھر سے کم نکلتے...... ہیں

کیا تکلف کریں۔ یہ کہنے میں
جو بھی خوش ہے ہم اس سے جلتے ہیں

ہے اُسے دُور کا سفر درپیش
ہم سنبھالے نہیں سنبھلتے ہیں

تم بنو رنگ، تم بنو خوشبو
ہم تو اپنے سخن میں ڈھلتے ہیں

میں اسی طرح تو بہلتا ہوں
اور سب جس طرح بہلتے ہیں

ہے عجب فیصلے کا صحرا بھی
چل نہ پڑیے تو پاؤں جلتے ہیں

(+) ہم کوئی بد معاملہ تو نہیں
زخم کھاتے ہیں' زہر اُگلتے ہیں

(+) شام فرقت کی لہلہا اُٹھی
وہ ہوا ہے کہ زخم پھلتے ہیں

○

ہم بہ صد ناز دل و جاں میں بسائے بھی گئے
پھر گنوائے بھی گئے اور بُھلائے بھی گئے

ہم ترا ناز تھے، پھر تیری خوشی کی خاطر
کر کے بے چارہ ترے سامنے لائے بھی گئے

کج ادائی سے سزا کج کُلہی کی پائی
میرِ محفل تھے، سو محفل سے اُٹھائے بھی گئے

کیا گِلہ، خون جو اَب تھوک رہے ہیں جاناں
ہم ترے رنگ کے پرَتو سے سجائے بھی گئے

ہم سے رُوٹھا بھی گیا، ہم کو منایا بھی گیا
پھر سبھی نقش تعلّق کے مٹائے بھی گئے

جمع و تفریق تھے ہم مکتبِ جسم و جاں کی
کہ بڑھائے بھی گئے اور گھٹائے بھی گئے

جونؔ! دل، شہرِ حقیقت کو اُجاڑا بھی گیا
اور پھر شہر توہّم کے بسائے بھی گئے

O

اپنے سب یار کام کر رہے ہیں
اور ہم ہیں کہ نام کر رہے ہیں

(+) آنے والی اُپر کلاس کی ہے
ہم جو یہ اہتمام کر رہے ہیں

تیغ بازی کا شوق اپنی جگہ
آپ تو قتلِ عام کر رہے ہیں

داد و تحسین کا یہ شور ہے کیوں
ہم تو خود سے کلام کر رہے ہیں

ہم ہیں مصروفِ انتظام مگر
جانے کیا انتظام کر رہے ہیں

ہے وہ بے چارگی کا حال کہ ہم
ہر کسی کو سلام کر رہے ہیں

(+) ہم تو بس یاد کے ہیں لوگ میاں
اپنا ہونا حرام کر رہے ہیں

اک قتالہ چاہیے ہم کو
ہم یہ اعلانِ عام کررہے ہیں

کیا بھلا ساغرِ سفال کہ ہم
ناف پیالے کو جام کر رہے ہیں

ہم تو آئے تھے عرضِ مطلب کو
اور وہ احترام کر رہے ہیں

نہ اُٹھے آہ کا دُھواں بھی کہ وہ
کوئے دل میں خرام کررہے ہیں

اس کے ہونٹوں پہ رکھ کے ہونٹ اپنے
بات ہی ہم تمام کررہے ہیں

ہم عجب ہیں کہ اس کے کوچے میں
بے سبب دُھوم دھام کر رہے ہیں

(+) کر کے بے پوشش اس صنم کو ہم
تیغ کو بے نیام کر رہے ہیں

(+) کوئی بھی فن ہمیں نہیں آتا
دَم کو بس دوام کر رہے ہیں

(+) ہم جو ہر لحظہ جی رہے ہیں جونؔ
ہم ابد میں قیام کر رہے ہیں

○

تم حقیقت نہیں ہو حسرت ہو
جو ملے خواب میں وہ دولت ہو

میں تمھارے ہی دم سے زندہ ہوں
مر ہی جاؤں جو تم سے فرصت ہو

تم ہو خوشبو کے خواب کی خوشبو
اور اتنی ہی بے مروّت ہو

تم ہو پہلو میں پر قرار نہیں
یعنی ایسا ہے جیسے فرقت ہو

تم ہو انگڑائی رنگ و نکہت کی
کیسے انگڑائی سے شکایت ہو

کس طرح چھوڑ دوں تمھیں جاناں
تم مری زندگی کی عادت ہو

کس لیے دیکھتی ہو...... آئینہ
تم تو خود سے بھی خوب صورت ہو

داستاں ختم ہونے والی ہے
تم مری آخری محبّت ہو

○

دل میں کم کم ملال تو رکھیے
نسبتِ ماہ و سال تو رکھیے

آپ کو اپنی تمکنت کی قسم
کچھ لحاظِ جمال تو رکھیے

صبر تو آنے دیجیے دل کو
اپنا پانا محال تو رکھیے

رہے جاناں کی یاد تو دل میں
دشت میں اک غزال تو رکھیے

آپ اپنی گلی کے سائل کو
کم سے کم پُر سوال تو رکھیے

جانے مجھ سے یہ کون کہتا تھا
آپ، اپنا خیال تو رکھیے

تیغ تو جونؔ پھینک دیجے مگر
ہاتھ میں اپنے ڈھال تو رکھیے

حالتِ فرقتِ ہمیشہ میں
درمیاں کوئی حال تو رکھیے

آج دو لمحہ اپنی بانہوں کو
میری بانہوں میں ڈال تو رکھیے

ایک ناسُور لے کے آیا ہوں
خواہشِ اندمال تو رکھیے

ایک شے احترامِ علم بھی ہے
اس کا کچھ کچھ خیال تو رکھیے

ڈھونڈ کر لائیے کہیں سے ہمیں
اپنی کوئی مثال تو رکھیے

ہے نگاہِ ہوس مری حاضر
اپنے گالوں کو لال تو رکھیے

ناف پیالہ نہ آپ چھلکائیں
اس کو ہم پر حلال تو رکھیے

ہے وہ ناپید، ہو مگر خود میں
طورِ ہجر و وصال تو رکھیے

جونؔ بے حال تو ہو لیکن آپ
حالتِ حال تو رکھیے

پاس اپنے نہ رکھیے اب کچھ اور (+)
دل میں وہ خد و خال تو رکھیے

○

یہ غم کیا دل کی عادت ہے؟ نہیں تو
کسی سے کچھ شکایت ہے؟ نہیں تو

ہے وہ اک خوابِ بے تعبیر اس کو
بُھلا دینے کی نیت ہے؟ نہیں تو

کسی کے بِن، کسی کی یاد کے بِن
جیے جانے کی ہمّت ہے؟ نہیں تو

کسی صورت بھی دل لگتا نہیں؟ ہاں
تو کچھ دن سے یہ حالت ہے؟ نہیں تو

(+) تجھے جس نے کہیں کا بھی نہ رکھا
وہ اک ذاتی سی وحشت ہے؟ نہیں تو

ترے اس حال پر ہے سب کو حیرت
تجھے بھی اس پہ حیرت ہے؟ نہیں تو

وہ درویشی جو تج کر آ گیا...... تُو
یہ دولت اُس کی قیمت ہے؟ نہیں تو

ہم آہنگی نہیں دنیا سے تیری
تجھے اس پر ندامت ہے؟ نہیں تو

ہوا جو کچھ یہی مقسوم تھا کیا
یہی ساری حکایت ہے؟ نہیں تو

اذیّت ناک اُمیدوں سے تجھ کو
اَماں پانے کی حسرت ہے؟ نہیں تو

(+) تُو رہتا ہے خیال و خواب میں گم
تو اس کی وجہِ فرصت ہے؟ نہیں تو

(+) وہاں والوں سے ہے اتنی محبت
یہاں والوں سے نفرت ہے؟ نہیں تو

(+) سبب جو اِس جدائی کا بنا ہے
وہ مجھ سے خوبصورت ہے؟ نہیں تو

○

اک گلی تھی جب اُس سے ہم نکلے
ایسے نکلے کہ جیسے دَم نکلے

جن سے دل کا معاملہ ہوتا
یاں بہت کم ہی ایسے غم نکلے

(+) کوچۂ آرزو جو تھا اُس میں
زُلفِ جاناں طرح کے خم نکلے

جو پھرے دربدر یہاں وہ لوگ
اپنے باہر بہت ہی کم نکلے

آگ دل شہر میں لگی جس دن
سب سے آخر میں واں سے ہم نکلے

جونؔ یہ جو وجود ہے یہ وجود
کیا بنے گی اگر عدم نکلے

شکوا یہ ہے کہ وہ بھی وہ نکلا
ہے ندامت کہ ہم بھی ہم نکلے

(+) ہم کو بھی لطفِ بندگی ہو نصیب
کاش یارو! خدا صنم نکلے

○

خلوتِ جاں کی زندگی نذرِ سفر تو ہوگئی
یعنی ہماری آرزو خاک بسر تو ہوگئی

سوزِ فُغانِ حال سے جل گئے لب مرے مگر
اہلِ محلّۂ فراق، تم کو خبر تو ہوگئی

ہے مرا خواب پرُعذاب، سب کے ہیں خواب مہرتاب
میری سحر نہیں ہوئی سب کی سحر تو ہوگئی

وصل و فراق کیا بھلا، وقت تو سہہ لیا گیا
اس کی گذر تو ہوگئی، میری بسر تو ہوگئی

دل ہمہ زخم زخم ہے، جاں ہمہ داغ داغ ہے
پیکرِ پُر نگار پر ایک نظر تو ہوگئی

سوئے شمالِ سبز سے آئی تھی ایک سرخ موج
یعنی نشاطِ دل کی یاد، خون میں تر تو ہوگئی

تجھ کو بھلا گلہ ہے کیوں، تو جو ہے زار اور زبوں
جونؔ تری مہم جو تھی، ہار کے سر تو ہوگئی

○

کچھ بھی ہُوا پر اپنے ساتھ اپنی گذر تو ہوگئی
چاہے کسی طرح ہوئی، عمر بسر تو ہوگئی

اس کا نہ تھا کوئی ملال اور نہ کوئی حالِ حال
شام گہِ ملال میں مجھ کو خبر تو ہوگئی

رودِ فغانِ خامشی دل میں ہے ایک موج زن
ایک عجیب واردات لب کے اُدھر تو ہوگئی

سمتِ گماں کی تھی عطا ایک ہوائے عنبریں
نیم رہِ سفر کی جوںؔ زادِ سفر تو ہوگئی

ہے شبِ دل میں خیمہ زن ایک سرودِ روشنی
تم کو سحر کی تھی ہوس، جونِ سحر تو ہوگئی

اس کو نہیں تھا میرا پاس، جاتے ہوئے نگاہ سے
مجھ کو خوشی ہے روزیِ دیدۂ تر تو ہوگئی

اب لبِ پُر نَفَس سے ہے اپنا گذر نَفَس نَفَس
اپنے لیے اک آپ میں، راہ گذر تو ہوگئی

تمکنت خیال میں، میں نے کہا کہ تم ہو کیا
یعنی کہ اک گزارشِ بارِ دگر تو ہوگئی

پُرسخنانِ پُرسکوت، شکوا کناں ہو کس لیے
عرضِ ہُنر کیے بغیر عرضِ ہُنر تو ہوگئی

○

رنگ آ جائے گا، رنگیں نظراں آئیں کہیں
بزم بے رنگ ہے، خونیں جگراں آئیں کہیں

نہیں اب یاد میں اس شوخ کی فریاد و فغاں
شہر خاموش ہے شوریدہ سراں آئیں کہیں

بُجھ نہ جائیں کہیں اب شمع کے ساتھ آنکھیں بھی
حالتِ آخرِ شب خوش خبراں آئیں کہیں

کس سے محرومیِ دیدار کا چھیڑوں میں سُخن
دید کم کم ہے یہاں، دیدہ وراں آئیں کہیں

حالتِ حال میں بسمل ہے عَبَث کی محفل
اب دمِ رقص ہے قاتل گُمراں آئیں کہیں

طَرَفِ عشق سے کچھ اہل ہَوَس نکلے تھے
سپر انداز ہیں سب، بے سپراں آئیں کہیں

○

فریاد سے غم دریغ رکھوں
میں گریے سے نم دریغ رکھوں

وہ غیرتِ شوق ہے کہ میں تو
آذر سے صنم دریغ رکھوں

مت پوچھ مری یگانہ رِندی
میں جام سے جم دریغ رکھوں

ہوں دشت میں اُنس کے فروکش
آہو سے میں رَم دریغ رکھوں

ہے حرصِ زیانِ روشنائی
کاغذ سے قلم دریغ رکھوں

میں رشک زدہ خود اپنے لب سے
اُس لب کی قسم دریغ رکھوں

اک ایسا سفر ہے مجھ کو درپیش
جس سے میں قدم دریغ رکھوں

ہوں جس رہِ خم بہ خم کا رَہ رَو
میں اس سے ہی خم دریغ رکھوں

جس شخص کا ہے بہا مری جان
میں اس سے دِرَم دریغ رکھوں

○

تمھاری یاد سے جب ہم گزرنے لگتے ہیں
جو کوئی کام نہ ہو بس وہ کرنے لگتے ہیں

تمھارے آئینۂ ذات کے تصوّر میں
ہم اپنے آئینہ آگے سنورنے لگتے ہیں

تمھارے کوچۂ جاں بخش کے قلندر بھی
عجیب لوگ ہیں ہر لحہ مرنے لگتے ہیں

ہم اپنی حالتِ بے حالی اذیّت میں
نہ جانے کس کو، کسے یاد کرنے لگتے ہیں

بہت اداس ہوں میں غم سدا نہیں رہتا
بہت اداس ہوں میں زخم بھرنے لگتے ہیں

انھیں میں تیری تمنّا کا فن سکھاتا ہوں
جو لوگ تیری تمنّا سے ڈرنے لگتے ہیں

یہاں میں ذکر نہیں کر رہا مکینوں کا
کبھی کبھی در و دیوار مرنے لگتے ہیں

○

کتنے عیش سے رہتے ہوں گے، کتنے اِتراتے ہوں گے
جانے کیسے لوگ وہ ہوں گے جو اس کو بھاتے ہوں گے

شام ہوئے خوش باش یہاں کے میرے پاس آ جاتے ہیں
میرے بُجھنے کا نظّارہ کرنے آ جاتے ہوں گے

(+) تم جانو میں سیدھا سادہ پھر تو یہ صد شیوہ خوباں
میرے بہکاوے میں آ کر' مجھ کو بہکاتے ہوں گے

وہ جو نہ آنے والا ہے نا، اس سے مجھ کو مطلب تھا
آنے والوں سے کیا مطلب، آتے ہیں، آتے ہوں گے

اس کی یاد کی بادِ صبا میں اور تو کیا ہوتا ہو گا
یوں ہی میرے بال ہیں بکھرے اور بکھر جاتے ہوں گے

یارو* ! کچھ تو ذکر کرو تم اس کی قیامت بانہوں کا
وہ جو سمٹتے ہوں گے ان میں، وہ تو مر جاتے ہوں گے

(+) بند رہے جن کا دروازہ ایسے گھروں کی مت پوچھو
دیواریں گر جاتی ہوں گی' آنگن رہ جاتے ہوں گے

میرا سانس اکھڑتے ہی سب بَین کریں گے، روئیں گے
یعنی، میرے بعد بھی یعنی، سانس لیے جاتے ہوں گے

---

* یہ مصرعہ اس طرح بھی کہا گیا ہے ۔ یارو! کچھ تو حال سناؤ اُس کی آفت بانہوں کا

ناکجا

کہاں ہے سمتِ گماں وہ جہانِ جاں پرور
کہ جس کی شش جہتی کا فسونِ چشم کشا
دِلوں میں پھیلتا ہے منزلوں میں پھیلتا ہے
جہاں سخن ہے سماعت نظر ہی منظر ہے
جہاں حروف لبوں سے کلام کرتے ہیں
جہاں وجود کے معنٰی خرام کرتے ہیں

بُودش

گریزاں کہکشانوں میں

سرآشفتہ عبث کا ایک درہم کا لبد شپیورزن
ہر دم خود اپنے آپ کی درہم زنی برہم زنی کی
حالت ہاکول جحیم جہاں سوزی میں جلتا ہے
فنا انفاس تاریکی کے مرغولے اُگلتا ہے
یہ بالا کیا یہ ژرفا کیا یہ پہنا کیا؟
کوئی معنی نہیں بودش کے کوئی بھی نہیں کوئی
سرابِ وہم کے خوابیدہ گردوں کی دوش ہے
سوے ہرزہ سوے ہرزہ
اُدراک دریوزگی پیشہ گماں کی بند بازی ہے
خیالِ دور پروازِ جہاتِ بے نہایت کی جو ساری مزد ہے

وہ نسلِ آدم کے ملالِ دل گرانی کے سوا کیا ہے
ازل ہائے ازل کا اور ابد ہائے ابد کا جو عبث ہے
اس کی آخر کیا شمارش ہے
شمارش کا گلہ کیا ہے
کسی کے زوزۂ گفتار میں آخر رکھا کیا ہے
یہ جو کچھ بھی ہے جو کچھ
ایک سنجش، چشم بندی کی زبوں فرجام سنجش ہے
یہ منظر چہرۂ پُر چین رِستا خیزِ ہر لمحہ کا منظر ہے
جو یکسر واژگوں ہے اور نگوں سر ہے
جو بینائی کی ہر دَم خوار کاری ہے
سو جو لمحہ ہے بنیش کا وہ بس شکوا گزاری ہے
سو جو مقسوم ہے دانش کا وہ دیوانہ واری ہے
یہاں اندازہ گیری کا جو لمحہ ہے نکوہش ہے
کوئی معنی نہی بودش کے بودش خوار کا وہم بودش ہے
ازل سے جس کا مفہومِ خجستہ اس نفس تک ایک ہرزہ ہے
سبھی کچھ ایک یکسر ناسزیدہ تر تماشے کا تماشا ہے

اہورا اور انسان اور اہریمن
بس اک ننگین و شرم آور سرانجامی کے تنّورِ ہمیشہ حال کا
بے مایہ ہیزم ہیں

یہ اپنے آپ ہی سے جو سَراسر وہم ہے
بیشینہ بے اندازہ تر کم ہیں
یہ بالا کیا، یہ ژرفا کیا، یہ پہنا کیا؟
کوئی معنی نہیں بودش کے کوئی بھی نہیں کوئی

خلوت

مجھے تم اپنی بانہوں میں جکڑ لو اور میں تم کو
کسی بھی دل کُشا جذبے سے یکسر ناشناسانہ
نشاط رنگ کی سرشاریِ حالت سے بیگانہ
مجھے تم اپنی بانہوں میں جکڑ لو اور میں تم کو

فسوں کارا، نگارا، نوبہارا، آرزو آرا!
بھلا لمحوں کا میری اور تمہاری خواب پرور
آرزو مندی کی سرشاری سے کیا رشتہ
ہماری باہمی یادوں کی دل داری سے کیا رشتہ
مجھے تم اپنی بانہوں میں جکڑ لو اور میں تم کو
یہاں اب تیسرا کوئی نہیں یعنی محبت بھی

رُوپوشی

یاد میں خوف ہے
سخت اُفتاد ہے
جاں گُسل جبرِ تعزیرایجاد ہے

لمحہ لمحہ درختانِ پُرسایہ کی شامِ ناشاد میں خوف ہے
خش خشِ بادِ تنہائی افتاد میں
پرتوِ نیم رنگِ گماں ہائے دِل زاد میں خوف ہے

میں تو اب یاد سے
یاد کے جاں گُسل جبرِ تعزیرایجاد سے
اپنے دل کو بچائے ہوئے
بود کی رایگانی میں روپوش ہوں
خود فراموش ہوں
یاد میں خوف ہے

تمہارا فیصلہ جاناں

تمہارا فیصلہ جاناں! مجھے بے حد پسند آیا
پسند آنا ہی تھا جاناں
ہمیں اپنے سے اتنی دور تک جانا ہی تھا جاناں

بجا ہے خانماں سوز آرزوؤں، تیرہ امیدوں
سراسر خوں شدہ خوابوں، نوازش گر سرابوں
ہاں سرابوں کی قسم یک سر بجا ہے
اب ہمارا جان و دل کے جاوداں، دل جان رشتے کو
اور اس کی زخم خوردہ یاد تک کو بے نیازانہ
بُھلا دینا ہی اچھا ہے
وہ سرمایہ، وہ دل سے بے بہا تر جاں کا سرمایہ
گنوا دینا ہی اچھا ہے
زیانِ جاودانی کے گلہ افروز داغوں کو
بجھا دینا ہی اچھا ہے
تمہارا فیصلہ جاناں! مجھے بے حد پسند آیا

ولایتِ خائباں

بُریرا ابنِ سلامہ اور جُندب ابنِ یاسر ساکنانِ شہرِ صیدا
''خائباں'' کے سب سے عالی شان شہرستان ''اَسَف آباد'' میں
وارد ہوئے تو وہ سرائے سین میں ٹھیرے
''سرائے سین'' اِک خوش نظم و خوش منظر سرائے ہے
وہ بعدِ چاشت روزانہ سرائے سے نکلتے اور اَسَف آباد کے
بازار و برزن میں، خیابانوں میں، کوچوں میں، خرابوں میں
وہاں کی وضع اور اس شہر کے باشندگاں کے حال احوال
اور کیفیات کی تحقیق کرکے اس کی رویداد کو اپنی بیاضوں میں رقم کرتے

اَسَف آباد آ کر دونوں یک سر مات اور مبہوت تھے
وہ یوں کہ وہ باہر سے آئے تھے
اُنھوں نے رہ گذاروں، شاہراہوں پر ہزاروں لوگ دیکھے
تیز رفتار و شتاباں، سست رفتار و خراماں
پر جو صورت سخت حیرت ناک تھی، یہ تھی کہ سب اہلِ اَسَف آباد
اِک خوابِ عمیق و جاوداں میں غرق تھے

اور شہر میں اِک شور، شورِ سامعہ آزار برپا تھا
وہ شورِ سامعہ آزار اَسف آباد کے خوابیدہ گردوں کے
پیاپے بے خلل بے وقفہ خراٹوں کا تھا
وہ ایک موسیقی تھی نادر تر
نہ جانے کتنی صدیوں کی ریاضت کا عطیّہ
اور اَسف آباد کے خوابیدہ گردوں کا تمامی روزگار
اور دفتر و دیوان کا نظم و نسق
ہر اک نفس کے واردے پر ایک الہامی طریقِ معجزہ آسا پہ چلتا تھا

یکم شعبان کو بعد غروبِ آفتاب ابنِ سلامہ اور جُندب ابنِ یاسر
زندہ بیدارا اور اس کے یار اور ہم کارِ یک دل
سرمدار کانی سے "قہوہ خانۂ سُرخاب" میں اِک خاص طورِ روبروئی سے ملے
پھر چند لمحوں ہی میں ان کے درمیاں
احساس اور اظہار کے بسیار گونہ سلسلے تھے جو چلے
"ابنِ سلامہ اور جُندب ابنِ یاسر، غالباً تم دونوں پہلی بار
اس نادر ولایت خابّاں میں آئے ہو
میں اور میرا یارِ جانی، جاودانی زندہ بیدارا اپنے دل کے دل سے
جاں کی جاں سے
تم دونوں کو اپنے شہر میں خوش آمدید جاوداں کہتے ہیں

ہم بھی ایک دن اس شہر میں باہر سے آئے تھے رہا، حرّان، ترمذ اور بخارا سے
عزیزو! خائباں میں شاید اب تک صرف دو سیّاحِ دانش یار آئے ہیں
بُریرابنِ سلامہ اور جُندب ابنِ یاسر تم!
مجھے تم سے عجب حیران کُن اِک بات کہنا ہے، عجب حیران کُن اِک بات
لیکن تم یقیں کرنا کہ ہم روزانہ وقتِ فجر جاگ اُٹھتے ہیں
اور خوابیدہ گردی کی کسی بھی کیفیت کے ابتلاء سے
یک سرہ محفوظ اپنے وقت پر گھر سے نکلتے ہیں
بریرابنِ سلامہ اور جندب ابنِ یاسر، تم یہ سوچو گے کہ ہم دونوں
بلائے روز و شب خوابیدگی کے عارضے سے کس طرح محفوظ ہیں
اور وہ بھی عالی شان شہرستان آصف آباد میں
اور تم یہ پوچھو گے کہ اس کا کیا سبب ہے؟
بات کچھ یوں ہے کہ جب ہم سرزمینِ خائباں میں آئے ہیں تو
فخرِ جالینوس، بہمن یارِ قرمز نے
ہمیں اپنی قرابادینِ خاص الخاص کی اک معجزہ پَرور دوا دی تھی
اور اس کا نام ہے اکسیر عقلانی
اُسے ہم روز وقتِ فجر استعمال کرتے ہیں
اسی اکسیر کی تاثیر ہے جس کے سبب ہم اس عذابی عارضے، خوابیدروزی
اور اس خوابیدہ گردی کے مَرَض سے یک سرہ محفوظ ہیں
تم ہی بتاؤ! ہم نے اب تک کوئی خرّاٹا لیا، کوئی بھی خرّاٹا؟

یہاں ہر گفتگو، ہر بحث، ہر تقریر، خرّاٹوں میں ہوتی ہے
اسے تم سرزمینِ خائباں کا امتیازِ خاص ہی کہہ لو
یہ باتیں بھی کہ جانم! تم مری پہلی محبت ہو، میں تم پر جان دیتا ہوں
"مجھے بھی، ہاں، مجھے بھی تم سے حد درجہ......"
یہاں بے وقفہ خرّاٹوں میں ہوتی ہیں
اگر تم بھی یہاں دو اک مہینے تک رہو تو یہ مَرَض تم کو بھی ہو جائے

ہمیں بھی ابنِ جندب! تم سے ملنے اور تم سے حرف زن ہونے کی
بے حد آرزو تھی اور کئی دن سے
ہمیں مشہور قصّہ گو سلامانی نے تم دونوں عزیزوں کی جو کیفیّت بتائی ہے
وہ ظاہر ہے کہ یک سر قابلِ فہم اور بجا تر ہے
یہاں کا حال ہی افسون و افسانہ نما تر ہے

عزیزو! خائباں کے رہنے والوں میں سے
شاید کم سے کم اَسّی کی جو خواہش ہے
وہ خواہش سراسر اور ہی کچھ ہے
وہی جو اپنی خواہش اور دنیا کے ہر اک شایستہ آدم زاد کی خواہش ہے
پر کیا ہو کہ اپنے خائباں کے مرد و زن معمول ہیں اک سحر کے معمول
اُن میں سے کوئی خود میں نہیں ہے کوئی بھی

جو بھی ہے، وہ نا خود میں زندہ ہے
رہے باقی، تو وہ سچ مچ پھل پائے ہیں سچ مچ
اور انھی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، سب کچھ
اور انھیں بے حد ہوس ہے اور وہ یہ ہے کہ اس بُنیاد برباد
اور یک سر درہم افتادہ ولایت خائباں کے سارے باشندے
"درخشاں تر، فروزاں تر" دل و دیں کے خجستہ خواب کی تعبیر،
ماضی میں پلٹ جائیں
اُلٹ جائیں
سو وہ تاریک اندیشہ یہاں کی سادہ دل نسلوں کو جو تعلیم
بے حد پاک دل کن، پاک پندار آفریں
تعلیم دیتے آئے ہیں
وہ یہ ہے، یعنی یہ کہ ساری آدمیّت کی ہزاروں سال سے لے کر
ہماری نسل تک کی زندگی کا سب سے زرّیں دَور اس ماضی میں گذرا ہے
جو لا فانی ہے، لا فانی رہے گا اور ہم کو اب
اسی میں زندہ رہنا ہے اگر زندہ ہی رہنا ہے
بُریرا ابنِ سلامہ اور جُندب ابنِ یاسر! تم یقیں کرنا
یہاں اَجناس کے سر محکمے کے حکم کی رُو سے، ہر اک ماکول اور مشروب میں
خواب آور ادویّہ کی آمیزش ضروری ہے، نہیں تو پھر سزا ہے
الغرض، مقصد جو ہے، یہ ہے کہ سارے لوگ اپنے ہوش سے عاری رہیں

اور صرف بے ہوشی میں سرگرم اور ظرفہ کار، پُر احوال، پُر اطوار ہوں
اس ماجرا آگیں ولایت کی تمامی دانش و بینش، تمامی فرخی فرہنگ
ہر فرّ و فروزانی، فزائش کا جو سرچشمہ ہے، وہ خوابیدہ روزی اور بس خوابیدہ گردی! ہے

فسوں افسانگی، خاموش آوازوں کا شور اور نیم روشن گرد و پیش
ابہام کی سمتیں، ہیولے، تیرہ اندیشی......
کسے معلوم کیا ہے؟ شاید ایسا ہو کہ ساری بُو د اِک خواب و فُسونِ جاوِدانہ ہو
سبھی کچھ اک فریبائی...... فریبائی ہو...... سب کچھ یعنی مطلب یہ کہ
مطلب یہ کہ سب افسانہ ہو...... سب کچھ ایک افسانہ
گماں ہا در گماں ہا...... ایک نزدا نزدور ادور و بے نام و نشاں ہا...... ہا
بُریرابنِ...... بریرابنِ...... تو اب ہم بھی
تو اب ہم بھی...... تو جندب ابنِ یملیخا...... خراخر ہا...... خراخر ہا......

لباس

تجھ سے نہیں رہا ہے کوئی نامہ و پیام
عرصہ گذر گیا ہے کہ بے التماس ہوں

تجھ کو یقین آئے نہ آئے، یہ اور بات
میں تجھ سے دور رہ کے بھی تیرے ہی پاس ہوں

ممکن کہاں ہے تجھ سے جدائی متاعِ جاں
تو ہے مرا لباس، میں تیرا لباس ہوں

قطعات

اب تو جس طور بھی گذر جائے
کوئی اصرار زندگی سے نہیں
اس کے غم میں کیا سبھی کو معاف
کوئی شکوا بھی اب کسی سے نہیں

......

ہے ضرورت بہت توجّہ کی
یاد آوٴ تو کم نہ یاد آوٴ
چاہیے مجھ کو جان و دل کا سکوں
میرے حق میں عذاب بن جاوٴ

......

مرچکا ہے دل مگر زندہ ہوں میں
زہر جیسی کچھ دوائیں چاہییں
پوچھتی ہیں آپ، آپ اچھے تو ہیں
جی میں اچھا ہوں، دعائیں چاہییں

چارہ سازوں کی چارہ سازی سے
درد بدنام تو نہیں ہو گا
ہاں، دوا دو مگر یہ بتلا دو
مجھے آرام تو نہیں ہو گا

......

وقت کے راستے سے ہم تم کو
ایک ہی ساتھ تو گذرنا تھا
ہم تو جی بھی نہیں سکے اک ساتھ
ہم کو تو ایک ساتھ مرنا تھا

......

دل میں جن کا نشان بھی نہ رہا
کیوں نہ چہروں پہ اب وہ رنگ کِھلیں
اب تو خالی ہے رُوح جذبوں سے
اب بھی کیا ہم تپاک سے نہ ملیں

کوئی تعلّق ہی نہ رہے
جب کہ سبب بھی باقی ہو
کیا میں اب بھی زندہ ہوں
کیا تم اب بھی باقی ہو؟

......

حالت یہ ہے کہ گردشِ حالات کے سبب
دل بھی مرا تباہ ہے، ہمّت بھی پست ہے
تم سوچتی بہت ہو تو پھر یہ بھی سوچنا
میری شکست اصل میں کس کی شکست ہے

فریبِ آرزو

صندلیں پیکر، تمھارے بازوؤں کے درمیاں
فارہہ کا غم بھلانے کے لیے آیا ہوں میں
زندگی کی اک حقیقت کو تمھارے رُوبرو
ایک افسانہ بنانے کے لیے آیا ہوں میں
فارہہ کی یاد میرے حافظے سے چھین لو
اپنا سرمایہ لُٹانے کے لیے آیا ہوں میں
انتقاماً چاہیے اب مجھ کو اک حالِ طرب
آج طنزاً مسکرانے کے لیے آیا ہوں میں
اب تو ہر نقشِ خیالی کو مٹانا ہے مجھے
اب تو سب کچھ بھول جانے کے لیے آیا ہوں میں
کر کے تعمیر ایک بُت خانہ برائے بندگی
کعبۂ نخوت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں میں
اب تو بس تم ہو فقط تم! فارہہ کچھ بھی نہیں

تم کو سینے سے لگانے کے لیے آیا ہوں میں
میری خوش منظر جوانی بھی تو کوئی چیز ہے
تم سے اس کی داد پانے کے لیے آیا ہوں میں
رائیگاں اب تک گئے میرے سخن کے معجزے
تازہ اعجازی دکھانے کے لیے آیا ہوں میں
کاش! تم میری جبیں کو چُوم لو، ہاں چوم لو
مطلعِ فن جگمگانے کے لیے آیا ہوں میں
تم سے بھی شاید مجھے غم کا عطیّہ ہی ملے
پھر بھی تازہ زخم کھانے کے لیے آیا ہوں میں
شاخِ دل کو لمحہ لمحہ اک نُمو تو چاہیے
زندگی کو اک فریبِ آرزو تو چاہیے

میرے غصّے کے بعد بھی

فارِہہ! کیا بہت ضروری ہے
ہر کسی شعر ساز کو پڑھنا
کیا مری شاعری میں کم ہے گداز
کیا کسی دل گداز کو پڑھنا
یعنی میرے سوا بھی اور کسی
شاعرِ دل نواز کو پڑھنا
کیا کسی اور کی ہو تم محبوب
کیوں کسی فن طراز کو پڑھنا
حد ہے، خود تم کو بھی نہیں آیا
اپنے قرآنِ ناز کو پڑھنا
یعنی خود اپنے ہی کرشموں کی
داستانِ دراز کو پڑھنا
ٹھیک ہے، گر تمھیں پسند نہیں

اپنی رُودادِ راز کو پڑھنا
واقعی، تم کو چاہیے بھی نہیں
مجھ سے بے امتیاز کو پڑھنا
کیوں تمھاری اَنا قبول کرے
مجھ سے اک بے نیاز کو پڑھنا
میرے غصّے کے بعد بھی تم نے
نہیں چھوڑا مجاز کو پڑھنا

عبث

دل کے داغوں کا چراغاں کیا کہوں
رونقِ شب ہائے ہجراں کیا کہوں
ہو گئے تاریک میرے سارے خواب
اُن کی تعبیرِ درخشاں کیا کہوں
بس عجب کچھ ہو گیا ہے میرے ساتھ
میں جو ہوں، میں کیا کہوں، ہاں، کیا کہوں
داستانِ شرم کی سرخی ہو تم
جانِ جاناں، جانِ جاناں، کیا کہوں
خوش بیانوں میں تمہارا ذکر ہے

......

رُوح کے رازوں کی رُسوائی ہوئی
دل کے اندازوں کی رُسوائی ہوئی
جو تھے سرمایہ ہماری ذات کا
اپنے اُن نازوں کی رُسوائی ہوئی

نوجوانوں میں تمہارا ذکر ہے

......

لوگ ہیں سرکار! ہم پر خندہ زن
عہد ہائے دم بہ دم پر خندہ زن
طعنہ زن ہیں انبساطِ وصل پر
ہجر کی چشمانِ نم پر خندہ زن
دل ہے جن زلفوں کا اِس دم تک اسیر
اب ہیں محرم اُن کے خم پر خندہ زن
اک ندامت بن گئے ہیں جان و دل
ہیں سبھی اُن کے بھرم پر خندہ زن
خاندانوں میں تمہارا ذکر ہے

......

تم تو وہ تھیں، جس سے تھی آنِ وفا
تم تو تھیں جانانہ، جانانِ وفا
کس طرح بچھڑیں تم اپنے آپ سے
لُٹ گیا سب سازو سامانِ وفا
تم! وفا کو قتل کر سکتی ہو تم!
تم کہ تھیں اُمیدؔ و ارمانِ وفا
تھے بھلا کھینچے ہی جانے کے لیے

جان! دامان و گریبانِ وفا
یعنی آنسو، ہچکیاں، سب کچھ تھا جھوٹ
تھا عبث ہر عہد و پیمانِ وفا
قہوہ خانوں میں تمہارا ذکر ہے

کاش، اے کاش

کاش، اے کاش، ہم ٹھہر سکتے

یہ ستارے، یہ شبنمی آنسو
نہ لٹاؤ یہ قیمتی آنسو
کل بھی آنسو تھے، آج بھی آنسو
ہو گئی اپنی زندگی آنسو

تھی یہ حسرت کہ زخم بھر سکتے
کاش اے کاش، ہم ٹھہر سکتے

جانِ جاناں، یہ نازنیں گیسو
نکہت افشاں و سُنبلیں گیسو
ہائے آشوب آفریں گیسو
یہ پریشان، عنبریں گیسو

وائے حسرت کہ یہ سنور سکتے
کاش، اے کاش، ہم ٹھہر سکتے

ہم کو خود سے گزر ہی جانا تھا
یوں ہر اک زخم بھر ہی جانا تھا
جو تھا کرنا وہ کر ہی جانا تھا
ایسے عالم میں مر ہی جانا تھا

شرم آتی ہے، کاش، مر سکتے
کاش، اے کاش، ہم ٹھہر سکتے

کیا کریں، کوئی اختیار نہیں
اپنا گھر ہم کو سازگار نہیں
اب کسی شے کا انتظار نہیں
وقت کا کوئی اعتبار نہیں

وقت کا اعتبار کر سکتے
کاش، اے کاش، ہم ٹھہر سکتے

دل کے حق میں ذرا نہیں ہے وقت
بے گماں مقتلِ یقیں ہے وقت
ہر نفس قہر آفریں ہے وقت
ایک دریائے آتشیں ہے وقت

کاش، ہم اس کے پار اتر سکتے
کاش، اے کاش، ہم ٹھہر سکتے

سفر کے وقت

تمھاری یاد مرے دل کا داغ ہے لیکن
سفر کے وقت تو بے طرح یاد آتی ہو
برس برس کی ہو عادت کا جب حساب تو پھر

بہت ستاتی ہو جانم، بہت ستاتی ہو
میں بھول جاؤں! مگر کیسے بھول جاؤں بھلا
عذابِ جاں کی حقیقت کا اپنی افسانہ
مرے سفر کے وہ لمحے، تمھاری پُر حالی
وہ بات بات، مجھے بار بار سمجھانا

یہ پانچ کُرتے ہیں دیکھو، یہ پانچ پاجامے
ڈلے ہوئے ہیں کمر بند ان میں اور دیکھو
یہ شیو بکس ہے، اور یہ ہے اولڈ اسپائس
نہیں حضور کی جھونجل کا اب کوئی باعث

یہ ڈائری ہے، اور اس میں پتے ہیں اور نمبر
اسے خیال سے بکسے کی جیب میں رکھنا
ہے عرض "حضرتِ غائب دماغ" بندی کی
کہ اپنے عَیب کی حالت کو غیب میں رکھنا

یہ تین کوٹ ہیں، پتلون ہیں، یہ ٹائیاں ہیں
بندھی ہوئی ہیں یہ سب، تم کو کچھ نہیں کرنا
یہ "ولیم" ہے، "اوتھل" ہے اور "ٹرپٹی نال"
تم ان کے ساتھ مری جاں ڈرنک سے ڈرنا

بہت زیادہ نہ پینا کہ کچھ نہ یاد آئے
جو لکھنؤ میں ہوا تھا، وہ اب دوبارہ نہ ہو
ہو تم سُخن کی انا، اور تمکنت جانم
مذاق کا کسی انشاء کو تم سے یارا نہ ہو[1]

وہ جون جو نظر آتا ہے، اُس کا ذکر نہیں
تم اپنے جون کا جو تم میں ہے، بھرم رکھنا
عجیب بات ہے جو تم سے کہہ رہی ہوں میں

[1] سید انشاء

خیال میرا زیادہ اور اپنا کم رکھنا
ہو تم بلا کے بغاوت پسند، تلخ کلام
خود اپنے حق میں اک آزار ہو گئے ہو تم
تمھارے سارے صحابہ نے تم کو چھوڑ دیا
مجھے قلق ہے کہ بے یار ہو گئے ہو تم

یہ بینکار، منیجر، یہ اپنے ٹیکنوکریٹ
کوئی بھی شبہ نہیں، ہیں یہ ایک عبث کا ٹھٹھول
میں خود بھی ان کو کرومیگنن سمجھتی ہوں
یہ "شان دار جناور" ہیں دفتروں کا مخول

میں جانتی ہوں کہ تم سن نہیں رہے مری بات
سماج جھوٹ سہی، پھر بھی اُس کا پاس کرو
ہے تم کو طیش، ہے بالشتیوں کی یہ دنیا
تو پھر قرینے سے تم اُن کو بے لباس کرو

تم ایک سادہ و برجستہ آدمی ٹھہرے
مزاجِ وقت کو تم آج تک نہیں سمجھے
جو چیز سب سے ضروری ہے، وہ میں بھول گئی

یہ پاسپورٹ ہے، اس کو سنبھال کے رکھنا
جو یہ نہ ہو تو خدا بھی بشر تک آ نہ سکے
سو، تم شعور کا اپنے کمال کر رکھنا

مری شکست کے زخموں کی سوزشِ جاوید
نہیں رہا مرے زخموں کا اب حساب کوئی
ہے اب جو حال مرا، وہ عجب تماشا ہے
مرا عذاب نہیں اب مرا عذاب کوئی

نہیں کوئی مری منزل، پہ ہے سفر درپیش
ہے گردِ گردِ عبث مجھ کو در بہ در درپیش

جونؔ تمھیں یہ دورمبارک

جونؔ! تمھیں یہ دَورمبارک، دُورغمِ ایّام سے ہو
اک پاگل لڑکی کو بُھلا کراب تو بڑے آرام سے ہو
ایک اُدھوری انگڑائی کے مستقبل کا خون کیا
تم نے اس کا دل رکھّا یا اس کے دِل کا خون کیا
یہ جو تمھارا سحرِ تکلّم حسن کو کرتا ہے مسحور
بانو، جمال آرا اور فضّہ کے حق میں ہے اک ناسور

خونِ جگر کا جو بھی فن ہے، سچ جانو، وہ جھوٹا ہے

وہ جو بہت سچ بول رہا ہو، سچ جانو، وہ جھوٹا ہے
قتلِ سیزر پر انطونی جو کچھ بولا، جھوٹ تھا وہ
یعنی لبوں نے جتنا کچھ زخموں کو تولا، جھوٹ تھا وہ
میّت پر سُہراب کی فردوسی نے ناٹک کھیلا تھا
اس کے ہونٹوں پر تھے، نالے دل میں فن کا میلا تھا

حُسن بلا کا قاتل ہو پر آخر کو بے چارہ ہے
عشق تو وہ قتّال ہے جس نے اپنے کو بھی مارا ہے
یہ دھوکے دیتا آیا ہے دِل کو بھی دُنیا کو بھی
اس کے جھوٹ نے خوار کیا ہے صحرا میں لیلیٰ کو بھی
دل دُکھتا ہے کیسے کہوں میں، چَل سے بے چل ہوتے ہیں
جذبے میں جو بھی مرتے ہیں، وہ سب پاگل ہوتے ہیں

تھی جو اک صیّاد تمہاری، ٹھہری ہے اک صیدِ زبوں
یعنی اب ہونٹوں سے مسیحا کے رِستا ہے اکثر خوں
خون کی تھوکن ہے جو تمھاری، کیا ہے وہ اک پیشہ کہ نہیں
تم ہو مسیحاؤں کے حق میں قاتل اندیشہ کہ نہیں
فن جو جُز فن کچھ بھی نہ ہو، وہ اک مہلک خوش باشی ہے
کارِ سُخن پیشہ ہے تمھارا جو خونی عیّاشی ہے

جونؔ، ہو تم چو بند بلا کے ''عشّاق'' میں چاق بھی ہو
تم جذبوں کے سوداگر ہو اور ان کے قزّاق بھی ہو
عشق کی یاوہ سرائی آخر رَد بھی ہونا چاہیے نا
آخر کو بکواس کی کوئی حد بھی ہونا چاہیے نا
میں جو ہوں باتوں کا ہوں میں، ایک خداوند، ایک خدا

لڑکی کو پرَچانے کا فن کس نے جانا میرے سوا
جان، تمھی میرا سب کچھ ہو، جی نہیں سکتا میں تم بِن
لمحوں کی پیکار ہے جن میں، بس ہوں سِسکتا میں تم بِن
سنتے ہو وہ جان تمھاری، بس اب گھر تک زندہ ہے
گھر کیا، وہ اُٹھ بھی نہیں سکتی، بس بستر تک زندہ ہے

درختِ زرد

نہیں معلوم زریون اب تمھاری عُمر کیا ہوگی
وہ کن خوابوں سے جانے آشنا، نا آشنا ہوگی
تمھارے دل کے اس دنیا سے کیسے سلسلے ہوں گے
تمھیں کیسے گماں ہوں گے، تمھیں کیسے گِلے ہوں گے
تمھاری صبح جانے کن خیالوں سے نہاتی ہو
تمھاری شام جانے کن ملالوں سے نبھاتی ہو
نہ جانے کون دوشیزہ تمھاری زندگی ہوگی
نہ جانے اس کی کیا بایستگی شایستگی ہوگی
اسے تم فون کرتے اور خط لکھتے رہے ہو گے
نہ جانے تم نے کتنی کم غلط اُردو لکھی ہو گی
یہ خط لکھنا تو دقیانوس کی پیڑھی کا قصّہ ہے
یہ صنفِ نثر ہم نابالغوں کے فن کا حصّہ ہے
وہ ہنستی ہو تو شاید تم نہ رہ پاتے ہو حالوں میں
گڑھا ننّھا سا پڑ جاتا ہو شاید اس کے گالوں میں

گماں یہ ہے، تمھاری بھی رسائی نا رسائی ہو
وہ آئی ہو تمھارے پاس لیکن آ نہ پائی ہو
وہ شاید مائدے کی گند بریانی نہ کھاتی ہو
وہ نانِ بے خمیرِ مَیدہ کم تر ہی چباتی ہو
وہ دوشیزہ بھی شاید داستانوں کی ہو دل دادہ
اسے معلوم ہوگا زال تھا سہراب کا دادا
تہمتن یعنی رستم تھا گرامی سام کا وارث
گرامی سام تھا صُلبِ نریمانی کا خوش زادہ
(یہ میری ایک خواہش ہے جو مشکل ہے......)
وہ نجم آفندیِ مرحوم کو تو جانتی ہو گی
وہ نوحوں کے ادب کا طرز تو پہچانتی ہو گی
اسے کد ہو گی شاید اُن سبھی سے جو لپاڑی ہوں
نہ ہوں گے خواب اس کا جو گوّیے اور کھلاڑی ہوں

●

ہَدَف ہوں گے تمھارا کون، تم کس کے ہَدَف ہو گے
نہ جانے وقت کی پیکار میں تم کس طرف ہو گے
ہے رَن یہ زندگی، اِک رَن جو برپا لمحہ لمحہ ہے
ہمیں اس رَن میں، جو بھی ہو، کسی جانب تو ہونا ہے
سو، ہم بھی اس نفس تک ہیں سپاہی ایک لشکر کے
ہزاروں سال سے جیتے چلے آئے ہیں مَر مَر کے

شہوداک فن ہے اور میری عداوت بے فنوں سے ہے
مری پیکار ازل سے سب تناسب دشمنوں سے ہے
بہار آقائے بابل ہے دو آبہ بیچتا کیا ہے

یہ خسرو، میر، غالب کا خرابہ بیچتا کیا ہے
ہمارا غالبِ اعظم تھا چور آقائے بیدل کا
سو رزقِ فخر اب ہم کھا رہے ہیں میرِ بسمل کا
سِدھارت بھی تھا شرمندہ کہ دو آبے کا باسی تھا
قسم احساس کی وہ تو گیا سے التماسی تھا
تمھیں معلوم ہے، اُردو جو ہے پالی سے نکلی ہے
وہ گویا اس کی ہی اک پُرنمو ڈالی سے نکلی ہے

یہ کڑواہٹ کی باتیں ہیں، مٹھاس ان کی نہ پوچھو تم
نمِ لب کو ترستی ہیں، سو، پیاس ان کی نہ پوچھو تم
یہ اک دو جُرعوں کی اک چُہل ہے اور چُہل میں کیا ہے
عوام النّاس سے پوچھو، بھلا الکحل میں کیا ہے
یہ طعن وطنز کی ہرزہ سرائی ہو نہیں سکتی
کہ میری جان میرے دل سے رشتہ کھو نہیں سکتی

نشہ چڑھنے لگا ہے اور چڑھنا چاہیے بھی تھا
عَبَث کا نرخ تو اس وقت بڑھنا چاہیے بھی تھا
عجب بے ماجرا، بے طور، بیزارانہ حالت ہے
وجود اک وہم ہے اور وہم ہی شاید حقیقت ہے

سرِ گفتار کیا تھا؟ سر تھا اور گفتار ہی کا تھا
غرض جو حال تھا وہ نفس کے بازار ہی کا تھا
ہے "ز" بازار میں تو درمیاں، زریون میں اوّل
تو یہ عبرا فنیقی کھیلتے حرفوں سے تھے ہر پل ☆
تو یہ زریون جو ہے، کیا یہ افلاطون ہے کوئی؟
کہ بو سہلِ مسیحی کی یہ اِک معجون ہے کوئی
اماں زریون ہے زریون، وہ معجون کیوں ہوتا
ہیں معجونیں مُفید "ارواح" کو، معجون یوں ہوتا ☆☆
سُنو! تفریق کیسے ہو بھلا اشخاص و اشیا میں
بہت جنجال ہیں پر ہو یہاں تو "یا" میں اور "یا" میں
تمھاری جو حماسہ ہے، بھلا اس کا تو کیا کہنا
ہے شاید مجھ کو ساری عمر اس کے سحر میں رہنا
مگر میرے غریب اجداد نے بھی کچھ کیا ہوگا
بہت ٹُچّا سہی، ان کا بھی کوئی ماجرا ہوگا
یہ ہم جو ہیں، ہماری بھی تو ہوگی کوئی نوٹنکی
ہمارا خون بھی سچ مچ کا صفحے پر بہا ہوگا
ہے آخر زندگی خون از بُنِ ناخن برآور تر
قیامت سانحہ مطلب قیامت فاجعہ پرور
نہیں ہو تم مرے مرا فردا نہیں میرا

☆ عبرا فنیقی: Hebrew Phoenicians
☆☆ ارواح: روحِ نباتی، روحِ حیوانی، روحِ انسانی

سو، میں نے ساحتِ دیروز میں ڈالا ہے اب ڈیرا
مرے دیروز میں زہرِ ہلاہل تیغِ قاتل ہے
مرے گھر کا وہی سرنام تر ہے جو بھی بسمل ہے
گذشتِ وقت سے پیمان ہے اپنا عجب سا کچھ
سو، اک معمول ہے عمران کے گھر کا عجب سا کچھ

حَسَن نامی ہمارے گھر میں اک سُقراط گذرا ہے
وہ اپنی نفی سے اثبات تک معتبر کے پہنچا ہے
کہ خونِ رائیگاں کے امر میں پڑنا نہیں ہم کو

کہ بس یونہی لڑائی کے لئے لڑنا نہیں ہم کو
وہ سودِ حال سے یک سرزیاں کارانہ گذرا ہے
وہ بے یاور رہا ہے اور بے یارانہ گذرا ہے

طلب تھی خون کی قے کی اسے اور بے نہایت تھی
سو، فوراً بنتِ اشعث کا پلایا پی گیا ہوگا
وہ اک لمحے کے اندر سرمدیت جی گیا ہوگا

تمھاری ارجمند امّی کو میں بُھولا بہت دن میں
میں ان کی رنگ کی تسکین سے نمٹا بہت دن میں
وہی تو ہیں، جنھوں نے مجھ کو پیہم رنگ تھکوایا

وہ کس رگ کا لُہو ہے جو میاں میں نے نہیں تھوکا
لُہو اور تھوکنا اس کا، ہے کاروبار بھی میرا
یہی ہے ساکھ بھی میری، یہی معیار بھی میرا
میں وہ ہوں جس نے اپنے خون سے موسم کِھلائے ہیں
نجانے وقت کے کتنے ہی عالم آزمائے ہیں
میں اک تاریخ ہوں اور میری جانے کتنی فصلیں ہیں
مری کتنی ہی فرعیں ہیں، مری کتنی ہی اصلیں ہیں
حوادث ماجرا ہی ہم رہے ہیں اک زمانے سے
شدائد سانحہ ہی ہم رہے ہیں اک زمانے سے
ہمارے غیر اور ہم جانے کب سے بین دائم ہیں
ہمیشہ سے بپا اک جنگ ہے، ہم اس میں قائم ہیں
ہماری جنگ خیروشر کے بستر کی ہے زائیدہ
یہ چرخِ جبر کے دوّارِ ممکن کی ہے گرویدہ
لڑائی کے لیے میدان اور لشکر نہیں لازم
سنان و گرز و شمشیر و تبر، خنجر نہیں لازم
بس اک احساس لازم ہے کہ ہم بُعدین ہیں دونوں
کہ نفیِ عینِ عین و سر بہ سر ضدّین ہیں دونوں
Luis Urbina نے میری عجب کچھ غم گساری کی
بصد دل دانشِ گذران اپنی مجھ پہ طاری کی
بہت اس نے پلائی اور پینے ہی نہ دی مجھ کو

پلک تک اس نے مرنے کے لیے جینے نہ دی مجھ کو
"میں تیرے عشق میں رنجیدہ ہوں، ہاں، اب بھی کچھ کچھ ہوں
مجھے تیری خیانت نے غضب مجروح کر ڈالا
مگر طیشِ شدیدانہ کے بعد آخر زمانے میں
رضا کی جاودانہ جبر کی نوبت بھی آ پہنچی"

محبت ایک پسپائی ہے پرُ احوال حالت کی
محبت اپنی یک طوری میں دشمن ہے محبت کی
سُخن مالِ محبت کی دکان آرائی کرتا ہے
سُخن سو طرح سے اک رَمز کی رُسوائی کرتا ہے
سُخن بکواس ہے بکواس جو ٹھیرا[1] ہے فن میرا
وہ ہے تعبیر کا افلاسِ جو ٹھیرا ہے فن میرا
سُخن یعنی لبوں کا فن، سُخن ور یعنی اک پرُ فن
سُخن ور ایزد اچھا تھا کہ آدم یا پھر اہرمن
سُخن یعنی لبوں کا فن مگر ایزد کے لب یعنی!
مزید آں کہ سُخن ٹیں وقت ہے، وقت اب سے اب، یعنی

کچھ ایسا ہے، یہ میں جو ہوں، یہ میں اپنے سوا ہوں "میں"
سو، اپنے آپ میں شاید نہیں واقع ہوا ہوں میں

جو ہونے میں ہو، وہ ہر لمحہ اپنا غیر ہوتا ہے
کہ ہونے کو تو ہونے سے عجب کچھ بَیر ہوتا ہے
یوں ہی، بس یوں ہی زینو نے یکا یک خودکشی کر لی
عجب حسِّ ظرافت کے تھے مالک یہ رواقی بھی

بِدہ یارا ازاں بادہ کہ "دہقاں پرورد" آں را
بہ سوزد ہر متاعِ انتمائے دودماناں را
بہ سوزد ایں زمینِ اعتبار و آسماناں را
بہ سوزد جان و دل راہم بیاساید دل و جاں را!

دل و جاں اور آسایش یہ اک کونی تمسخر ہے☆
حُمق کی عبقریّت ہے، سفاہت کا تفکّر ہے
حُمق کی عبقریّت اور سفاہت کے تفکّر نے
ہمیں تصیحِ مہلت کے لیے اکوان بخشے ہیں
اور افلاطونِ اقدس نے ہمیں اعیان بخشے ہیں

سنو زریون، تم تو عینِ اعیانِ حقیقت ہو
نظر سے دور منظر کا سروسامانِ ثروت ہو

☆کونی تمسخر: Cosmic Joke

ہماری عمر کا قصّہ حساب اندوزِ آنی ہے
زمانی زَد میں ظَن کی اک گمانِ لازمانی ہے
فنا ہر آن باقی ہے، بقا ہر آن فانی ہے
کہانی کہنے والا اِک کہانی کی کہانی ہے
کہانی سننے والے جو بھی ہیں وہ خود کہانی ہیں
یقیں شاید کہیں ٹھہرے گماں جتنے ہیں فانی ہیں
پیاپے یہ گدازش، یہ گماں اور یہ گِلے کیسے
صلہ سُوزی تو میرا فن ہے، پھر اس کے صلے کیسے
تو میں کیا کہہ رہا تھا، یعنی کیا کچھ سہہ رہا تھا میں
اماں، ہاں، میز پر یا میز پر سے بہہ رہا تھا میں
رکو، میں بے سروپا اپنے سر سے بھاگ نکلا ہوں
مرا "میں" لاگ میں تھا، اس سے میں بےلاگ نکلا ہوں
الا یا ایھا الا بجد! ذرا یعنی، ذرا ٹھیرو
There is an absurd I in absurdity shaayad
کہیں اپنے سِوا، یعنی کہیں اپنے سِوا ٹھیرو
تم اس absurdity میں اک ردیف، اک قافیہ ٹھیرو

●

ردیف و قافیہ کیا ہیں، شکستِ نارَوا کیا ہے
"شکستِ نارَوا" نے مجھ کو پارہ پارہ کر ڈالا
اَنا کو میری بے اندازہ تر بے چارہ کر ڈالا

میں اپنے آپ میں ہارا ہوں اور خوارانہ ہارا ہوں
جگر چاکانہ ہارا ہوں، دل افگارانہ ہارا ہوں

جسے فن کہتے آئے ہیں وہ ہے خُونِ جگر اپنا
مگر خُونِ جگر کیا ہے، وہ ہے قتّال تر اپنا
کوئی خُونِ جگر کا فن ذرا تعبیر میں لائے
مگر میں تو کہوں، وہ پہلے میرے سامنے آئے
وجود و شعر یہ دونوں define ہو نہیں سکتے
کبھی مفہوم میں ہرگز یہ کائن ہو نہیں سکتے
حسابِ حرف میں آتا رہا ہے بس حَسَب ان کا
نہیں معلوم ایزدایزداں کو بھی نَسَب ان کا
ہے ایزد ایزداں اک رمز جو بے رمز نسبت ہے
میاں اک حال ہے، اک حال جو بے حالِ حالت ہے
نہ جانے جبر ہے حالت کہ حالت جبر ہے، یعنی
کسی بھی بات کے معنی جو ہیں اُن کے ہیں کیا معنی
وجود اک جبر ہے میرا، عدم اوقات ہے میری
جو میری ذات ہرگز بھی نہیں، وہ ذات ہے میری
میں روز و شبِ نگارش کوش خود اپنے عدم کا ہوں

میں اپنا آدمی ہرگز نہیں، لوح و قلم کا ہوں

●

ہیں کڑواہٹ میں یہ بھیگے ہوئے لمحے عجب سے کچھ
سراسر بے حسابانہ، سراسر بے سبب سے کچھ
سَرابوں نے سَرابوں پر بہت بادل ہیں برسائے
شرابوں نے معابد کے تموز و بعل نہلائے
(یقیناً قافیہ ہے یاوہ فرمائی کا سرچشمہ
''ہیں نہلائے''، ''ہیں برسائے'')
نہ جانے عاربہ کیوں آے، کیوں مستعربہ آئے
مضر کے لوگ تو چھانے ہی والے تھے، سووہ چھائے
مرے جَد ہاشمِ اعلیٰ گئے غزہ میں دفنائے
میں ناقے کو پلاؤں گا، مجھے واں تک وہ لے جائے
لِدُوا لِلمَوتِ وَابنُوا لِلخَرابِ سن خراباتی
وہ مردِ عوص کہتا ہے، حقیقت ہے خُرافاتی
یہ ظالم تیسرا پیگ اک اقانیمی ہدایت ہے
اُلوہی ہرزہ فرمائی کا سرِّطورِ لکنت ہے
بھلا حُورب کی جھاڑی کا وہ رمزِ آتشیں کیا تھا
مگر حُورب کی جھاڑی کیا، یہ کس سے کس کی نسبت ہے

یہ نسبت کے بہت سے قافیے ہیں، ہے گِلہ اس کا
مگر تجھ کو تو یارا! قافیوں کی بے طرح لت ہے
گماں یہ ہے کہ شاید بحر سے خارج نہیں ہوں میں
ذرا بھی حال کے آہنگ میں حارج نہیں ہوں میں
تنا تن تن، تنا تن تن، تنا تن تن، تنا تن تن
تنا تن تن، نہیں محنت کشوں کا تن، نہ پیراہن
نہ پیراہن، نہ پوری آدھی روٹی اب رہا سالن
یہ سالے کچھ بھی کھانے کو نہ پائیں، گالیاں کھائیں
ہے ان کی بے حِسی میں تو مقدّس تر حرامی پن

مگر آہنگ میرا کھو گیا شاید، کہاں جانے
کوئی موجِ...... کوئی موجِ شمالِ جاوداں جانے
شمالِ جاوداں کے اپنے ہی قصّے تھے جو گذرے
وہ ہو گذرے تو پھر خود میں نے بھی جانا، وہ ہو گذرے
شمالِ جاوداں اپنا، شمالِ جاودانِ جاں
ہے اب بھی اپنی پونجی اک ملالِ جاودانِ جاں

●

نہیں معلوم زریون، اب تمھاری عُمر کیا ہو گی
یہی ہے دل کا مضمون، اب تمھاری عُمر کیا ہو گی

ہمارے درمیاں اب ایک بے جا تر زمانہ ہے
لبِ تشنہ پہ اک زہرِ حقیقت کا فسانہ ہے
عجب فرصت میسّر آئی ہے "دل جان رشتے" کو
نہ دِل کو آزمانا ہے، نہ جاں کو آزمانا ہے
کلیدِ کِشت زارِ خواب بھی گُم ہو گئی آخر
کہاں اب جادۂ خرّم میں سرسبزانہ جانا ہے
کہوں تو کیا کہوں، میرا یہ زخمِ جاودانہ ہے
وہی دل کی حقیقت جو کبھی جاں تھی، وہ اب آخر
فسانہ در فسانہ در فسانہ در فسانہ ہے
ہمارا باہمی رشتہ جو حاصل تر تھا رشتوں کا
ہمارا طورِ بے زاری بھی کتنا والہانہ ہے
کسی کا نام لکھا ہے مری ساری بیاضوں پر
میں ہمّت کررہا ہوں، یعنی اب اس کو مٹانا ہے
ہنسی آتی ہے اب وہ کس قدر نا واجبانہ ہے
یہ اِک شامِ عذابِ بے سروکارانہ حالت ہے
ہوئے جانے کی حالت میں ہوں، بس فرصت ہی فرصت ہے
نہیں معلوم تم اس وقت کس معلوم میں ہو گے
نہ جانے کون سے معنیٰ میں، کس مفہوم میں ہو گے

میں تھا مفہوم، نا مفہوم میں گم ہو چکا ہوں میں
میں تھا معلوم، نا معلوم میں گم ہو چکا ہوں میں

●

نہیں معلوم زریون اب تمھاری عمر کیا ہوگی
مرے خود سے گذرنے کے زمانے سے سوا ہوگی
مرے قامت سے اب قامت تمھارا کچھ فزوں ہوگا
مرا ''فردا'' مرے دیروز سے بھی خوش نموں ہوگا
حسابِ ماہ و سال اب تک کبھی رکّھا نہیں میں نے
کسی بھی فصل کا اب تک مزہ چکھا نہیں میں نے
میں اپنے آپ میں کب رہ سکا، کب رہ سکا آخر
کبھی اِک پل کو بھی اپنے لیے سوچا نہیں میں نے
حسابِ ماہ و سال و روز و شب، وہ سوختہ بُودش
مسلسل جاں کنی کے حال میں رکھتا بھی تو کیسے
جسے یہ بھی نہ ہو معلوم وہ ہے بھی تو کیوں کر ہے
کوئی حالت دلِ پامال میں رکھتا بھی تو کیسے
کوئی نسبت بھی اب تو ذات سے باہر نہیں میری
کوئی بستر نہیں میرا، کوئی چادر نہیں میری

بہ حالِ ناشِتا صد زخم ہا و خون ہا خوردم

بہ ہر دم شوکراں آمیختہ معجون ہا خوردم
تمھیں اس بات سے مطلب ہی کیا اور آخرش کیوں ہو
کسی سے بھی نہیں مجھ کو گِلہ اور آخرش کیوں ہو
جو ہے اک ننگِ ہستی اس کو تم کیا جان بھی لو گے
اگر تم دیکھ لو مجھ کو تو کیا پہچان بھی لو گے
تمھیں مجھ سے جو نفرت ہے، وہی تو میری راحت ہے
مری جو بھی اذیّت ہے، وہی تو میری لذّت ہے
کہ آخر اس جہاں کا اک نظامِ کار ہے آخر
جزا کا اور سزا کا کوئی تو ہنجار ہے آخر
میں خود میں جھینکتا ہوں اور سینے میں بھڑکتا ہوں
مرے اندر جو ہے اک شخص، میں اس میں پھڑکتا ہوں
ہے میری زندگی اب روز و شب یک مجلسِ غم ہا
عزا ہا، مرثیہ ہا، گریہ ہا، آشوبِ ماتم ہا

●

تمھاری تربیت میں میرا حصّہ کم رہا، کم تر
زباں میری تمھارے واسطے شاید کہ مشکل ہو
زباں، اپنی زباں میں تم کو آخر کب سکھا پایا
عذابِ صد شماتت آخرش مجھ پر ہی نازل ہو

زباں کا کام یوں بھی بات سمجھانا نہیں ہوتا
سمجھ میں کوئی بھی مطلب کبھی آنا نہیں ہوتا
کبھی خود تک بھی مطلب کوئی پہنچانا نہیں ہوتا
گمانوں کے گماں کی دم بہ دم آشوب کاری ہے
بھلا کیا اعتباری اور کیا نا اعتباری ہے

گماں یہ ہے، بھلا میں جز گماں کیا تھا گمانوں میں
سخن ہی کیا فسانوں کا، دھرا کیا ہے فسانوں میں
مرا کیا تذکرہ اور واقعی کیا تذکرہ میرا
میں اِک افسوس ہوں' افسوس تھا گذرے زمانوں میں

ہے شاید دل مرا بے زخم اور لب پر نہیں چھالے
مرے سینے میں کب سوزندہ تر داغوں کے ہیں تھالے
مگر دوزخ پگھل جائے جو میرے سانس اپنا لے
تم اپنی مام کے بے حد مُرادی منّتوں والے
مرے کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، بالے
مگر پہلے کبھی تم سے مرا کچھ سلسلہ تو تھا
گماں میں میرے شاید اک کوئی غنچہ کِھلا تو تھا
وہ میری جاودانہ بے دُوئی کا اک صلہ تو تھا

سو، اُس کو ایک "ابّو" نام کا گھوڑا ملا تو تھا

"سایۂ دامانِ رحمت چاہیے تھوڑا مجھے
میں نہ چھوڑوں یا نبی، تم نے اگر چھوڑا مجھے
عید کے دن مصطفیٰؐ سے یوں لگے کہنے حسینؓ
سبز جوڑا دو حسن کو، سُرخ دو جوڑا مجھے

●

"ادب، ادب کتّے، ترے کان کاٹوں
زریون کے بیاہ کے نان باٹوں"
تاروں بھرے جگر جگر خوان باٹوں
"آ جا ری نندیا تو آ کیوں نہ جا
زریون کو آ کے سُلا کیوں نہ جا"

●

تمھارے بیاہ میں شجرہ پڑھا جانا تھا نوشہ واسطی دولھا

"چوکی آنگن میں بچھی واسطی دولھا کے لیے"

مکّے مدینے کے پاک مصلّے، پیمبر گھر نواسے
شاہِ مرداں، امیر المومنین حضرت علی کے پوتے
حضرت امام حسن، حضرت امام حسین کے پوتے
حضرت امام علی نقی کے پوتے
سیّد جعفر ثانی کے پوتے
سیّد ابوالفرح صیدوای الواسطی کے پوتے
میراں سیّد علی بزرگ کے پوتے
سیّد حسین شرف الدین شاہ ولایت کے پوتے
قاضی سیّد امیر علی کے پوتے
دیوان سیّد حامد کے پوتے
علامہ سیّد شفیق حسن ایلیا کے پوتے
سیّد جون ایلیا حسنی الحسینی سپوت جاہ"

مگر ناظر ہمارا سوختہ صُلب آخری نسّاب اب مرنے ہی والا ہے
بس اک پل ہفت صدی کا فیصلہ کرنے ہی والا ہے

سنو، زریون، بس تم ہی سنو، یعنی فقط تم ہی
وہی راحت میں ہے جو عام سے ہونے کو اپنا لے
کبھی کوئی بھی پر ہو کوئی بہمن یار یا زینو
تمھیں بہکا نہ پائے اور بیرونی نہ کر ڈالے
میں ساری زندگی کے دُکھ بھگت کر تم سے کہتا ہوں
بہت دُکھ دے گی تم میں فکر اور فن کی نمو مجھ کو
ہے تم کو عام شہری دیکھنے کی آرزو مجھ کو
تمھارے واسطے بے حد سہولت چاہتا ہوں میں
دوامِ جہل و حالِ استراحت چاہتا ہوں میں
نہ دیکھو کاش تم وہ خواب جو دیکھا کِیا ہوں میں
وہ سارے خواب تھے قصّاب جو دیکھا کِیا ہوں میں
خراشِ دل سے تم بے رشتہ، بے مقدور ہی ٹھیرو
مرے تجیمِ ذاتِ ذات سے تم دُور ہی ٹھیرو
کوئی زریون، کوئی بھی کلرک اور کوئی کارندہ
کوئی بھی بنک کا افسر، سینٹر، کوئی پاوندا
ہر اک حیوانِ سرکاری کو ٹٹّو جانتا ہوں میں
سو ظاہر ہے، اسے شے سے زیادہ مانتا ہوں میں
تمھیں ہو صبح دم توفیق بس اخبار پڑھنے کی
تمھیں اے کاش، بیماری نہ ہو دیوار پڑھنے کی
عجب ہے سارتر اور رسل بھی اخبار پڑھتے تھے

وہ معلومات کے میدان کے شوقین بوڑھے تھے

●

نہیں معلوم مجھ کو عام شہری کیسے ہوتے ہیں
وہ کیسے اپنا بنجر نام بنجرپن میں بوتے ہیں
میں اُز سے آج تک اک عام شہری ہو نہیں پایا
اسی باعث میں ہوں انبوہ کی لذّت سے بے مایہ
مگر تم اک دوپایہ راست قامت ہو کے دکھلانا
سنو رائے دہندہ بن ہوئے تم باز مت آنا
فقط زریون ہو تم، یعنی اپنا سابقہ چھوڑو
فقط زریون ہو تم، یعنی اپنا لاحقہ چھوڑو
مگر میں کون جو چاہوں تمھارے باب میں کچھ بھی
بھلا کیوں ہو مرے احساس کے اسباب میں کچھ بھی
تمھارا باپ، یعنی مَیں، عبث مَیں، اک عبث تر مَیں؟
مگر مَیں یعنی جانے کون؟ اچھا مَیں، سراسر مَیں!
میں اک کاسد ہوں، کاذب ہوں، میں کیا دو کمینہ ہوں
میں کاسہ باز و کینہ ساز و کاسہ تن ہوں، کتّا ہوں
میں اک ننگینِ بودش ہوں، پہ تم تو سرِّ منعَم ہو
تمھارا باپ روح القدس تھا، تم ابنِ مریم ہو

●

یہ قُلقل تیسرا پیگ، اب تو چوتھا ہو، گماں یہ ہے
گماں کا مجھ سے کوئی خاص رشتہ ہو، گماں یہ ہے
گماں یہ ہے کہ میں جو جا رہا تھا، آ رہا ہوں میں
مگر میں آ رہا کب ہوں، پیا پے جا رہا ہوں میں
یہ چوتھا پیگ ہے، اُوں ہوں، ذلالت کی گئی مجھ سے
ذلالت کی گئی مجھ سے، خیانت کی گئی مجھ سے
جذامی ہو گئی وضّاح کی محبوب واویلا☆
مگر اس کا گِلہ کیا جب نہیں آیا کوئی اَیلا

●

سنو میری کہانی، پر میاں میری کہانی کیا
میں یک سر رائیگانی ہوں، حسابِ رائیگانی کیا
بہت کچھ تھا کبھی شاید، پر اب کچھ بھی نہیں ہوں میں
نہ اپنا ہم نفس ہوں میں، نہ اپنا ہم نشیں ہوں میں
کبھی کی بات ہے، فریاد میرا وہ کبھی یعنی
نہیں اس کا کوئی مطلب، نہیں اس کے کوئی معنی

☆ وضّاح: عربی کا ایک شاعر

میں اپنے شہر کا سب سے گرامی نام لڑکا تھا
میں بے ہنگام لڑکا تھا، میں صد ہنگام لڑکا تھا
مرے دَم سے غضب ہنگامہ رہتا تھا محلّوں میں
میں حشر آغاز لڑکا تھا، میں حشر انجام لڑکا تھا
مرے ہندو مسلماں سب مجھے سر پر بٹھاتے تھے
انھی کے فیض سے معنی مجھے معنی سکھاتے تھے
سخن بہتا چلا آتا ہے بے باعث کے ہونٹوں سے
وہ کچھ کہتا چلا آتا ہے بے باعث کے ہونٹوں سے
میں اشرافِ کمینہ کار کو ٹھوکر پہ رکھتا تھا
سو، میں محنت کشوں کی جوتیاں منبر پہ رکھتا تھا
میں شاید اب نہیں ہوں وہ، مگر اب بھی وہی ہوں میں
غضب ہنگامہ پرور خیرہ سر اب بھی وہی ہوں میں
مگر میرا تھا اک طَور اَور بھی جو اَور ہی کچھ تھا
مگر میرا تھا اک دَور اَور بھی جو اَور ہی کچھ تھا
میں اپنے شہرِ علم و فن کا تھا اک نوجواں کاہن
مرے تلمیذِ علم و فن مرے بابا کے تھے ہم سِن
مرا بابا مجھے خاموش آوازیں سناتا تھا
وہ اپنے آپ میں گم مجھ کو پُر حالی سکھاتا تھا

وہ ہیئت داں، وہ عالِم، نافِ شب میں چھت پہ جاتا تھا
رَصَد کا رشتہ سیّاروں سے رکھتا تھا، نبھاتا تھا
اِسے خواہش تھی شہرت کی نہ کوئی حرصِ دولت تھی
بڑے سے قُطر کی اک دوربین اس کی ضرورت تھی
مری ماں کی تمنّاؤں کا قاتل تھا وہ قلّامہ
مری ماں، میری محبوبہ، قیامت کی حسینہ تھی
ستم یہ ہے، یہ کہنے سے جھجکتا تھا وہ فہّامہ
تھا بے حد اشتعال انگیز بدقسمت وہ علّامہ
خَلَف اُس کے خَرَف اور بے نہایت ناخَلَف نکلے
ہم اُس کے سارے بیٹے انتہائی بے شَرَف نکلے
میں اُس عالم ترینِ دہر کی فکرت کا منکر تھا
میں سوفسطائی تھا، جاہل تھا اور منطق کا ماہر تھا
پر اب میری یہ شہرت ہے کہ میں بس اک شرابی ہوں
میں اپنے دُودمانِ علم کی خانہ خرابی ہوں
سگانِ خوک زادِ برزن و بازارِ بے مغزی
مری جانب اب اپنے تھوبڑے شاہانہ کرتے ہیں
زِنازادے مری عزّت بھی گستاخانہ کرتے ہیں
کمینے شرم بھی اب مجھ سے بے شرمانہ کرتے ہیں

●

مجھے اِس شام پہلے اپنے لبوں پر اک سخن لانا
علی درویش تھا تم اس کو اپنا جد نہ بتلانا
وہ سبطینِ محمد، جن کو جانے کیوں بہت ارفع
بہت ارفع، بہت اعلیٰ سمجھوایا گیا اب تک
تم ان کی دُور کی نسبت سے بھی یک سر مُکر جانا
کہ اس نسبت سے زہر و زخم کو سہنا ضروری ہے
عجب غیرت سے غلطیدہ بخوں رہنا ضروری ہے

●

وہ شجرہ جو کنانہ، فہر، غالب، کعب، مرّہ سے
قصّی و ہاشم وشیبہ ابوطالب تک آتا تھا
وہ اک اندوہ تھا تاریخ کا، اندوہِ سوزندہ
وہ ناموں کا درختِ زرد تھا اور اس کی شاخوں کو
کسی تنّور کے ہیزم کی خاکستر ہی بننا تھا
اسے شعلہ زدہ بوُدش کا اِک بستر ہی بننا تھا

●

ہمارا فخر تھا فقر اور دانش اپنی پونجی تھی
نَسَب ناموں کے ہم نے کتنے ہی پرچم لپیٹے ہیں
مرے ہم شہر، زریون، اک فُسوں ہے نسل، ہم دونوں
فقط آدم کے بیٹے ہیں، فقط آدم کے بیٹے ہیں

میں جب اوسان اپنے کھونے لگتا ہوں تو ہنستا ہوں

میں تم کو یاد کر کے رونے لگتا ہوں تو ہنستا ہوں

ہمیشہ میں خداحافظ، ہمیشہ میں خداحافظ

خداحافظ

خداحافظ

مجموعے کی پشت پر جن کتابوں کے نام رقم ہیں، اُن میں سے کئی کتابیں جون ایلیا نے اسماعیلی، آغا خانیوں کے عالمی مرکز کے شعبۂ ترجمہ وتصنیف وتحقیق کے سربراہ کی حیثیت سے لکھی تھیں۔ ان میں سے صرف دو کتابیں شائع ہوئیں۔ ایک جوہرِ صقلی اور دوسری حسن بن صباح۔ باقی کتابیں اسماعیلی ایسوسی ایشن میں محفوظ ہیں۔ اب اسماعیلی ایسوسی ایشن کا نام اسماعیلی طریقہ ہوگیا ہے۔

اس کے علاوہ جون ایلیا نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ شہرۂ آفاق ''رسائلِ اخوان الصّفا'' کا ترجمہ بھی کیا جانا چاہیے۔ اُن سے کہا گیا کہ یہ مشکل ذمّے داری کون اپنے سر لے گا؟ جون ایلیا نے کہا کہ میں خود یہ ذمّے داری ادا کروں گا۔

''رسائلِ اخوان الصّفا'' تاریخِ تہذیب کا مشہورِ عالم سرمایہ ہیں۔ یہاں میں جون ایلیا کی تحریر کا اقتباس پیش کر رہا ہوں۔

''رسائلِ اخوان الصفا'' باون رسائل ہیں۔ ان میں ریاضیات سے لے کر عشق، موسیقی اور جادو، غرض نو بہ نو موضوعات پر لکھا گیا ہے۔ یہ رسائل چوتھی صدی ہجری میں ایک اَسرار آمیز اور مفکرین کی جماعت نے قلم بند کیے تھے۔ انھیں انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت حاصل ہے۔ نہ جانے کیوں اِن کے مولفوں نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، بلکہ اپنے آپ کو اخوان الصفا وخلان الوفا کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ یہ لوگ کون تھے، اس مسئلے پر صدیوں تک تحقیق جاری رہی ہے، جس کے نتیجے میں چند نام معلوم ہوئے ہیں اور وہ ہیں، ابوسلیمان محمد بن معشر بستی جو مقدسی کے نام سے مشہور ہے۔ ابوالحسن علی بن ہارون زنجانی، ابواحمد مہرجانی، ابوالحسن علی بن رابیناس عوفی اور زید بن رفاعہ۔

ان رسائل سے انقلابِ فرانس کے قاموسی اور مفکر بے حد متاثر ہوئے تھے۔ میں نے ان رسائل میں سے کئی رسائل کا ترجمہ کیا، جن میں عدد، قاطیغوریاس، بارامانیاس، جومطریا اور ایسا غوجی محفوظ ہیں۔''

شکیل عادل زادہ

مُصنّف کی دُوسری کتابیں

تصنیفات و تراجم

مسیح بغداد، حلاّج	اسماعیلیت، شام وعراق میں
مُطالعۂ طواسین	اسماعیلیت، یمن میں
تہذیب	رہایش و کُشایش
فرنود	تجرید
مسائل تجرید	رسالۂ حکمتی
عدد (NUMBER)	کتابُ الطوّاسین
قاطیغوریاس (CATEGORIES)	اخبار الحلاّج
باراماینیاس (PERIHERMENIAS)	جوھرِ صقلی
جومطریا (GEOMETRY)	اسماعیلیت، جزیرۂ عرب میں
ایساغوجی (ISAGOGE)	حسن بن صبّاح